إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ

ماہنامہ

البرہان

لاہور

اگست ۲۰۲۳ء

مدیر ڈاکٹر محمد امین

CPL No. 296 Monthly Al Burhan August 2023

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گرمیوں کی چھٹیوں میں ’قرآنی عربی‘ اور ’اسلام اور عصری مسائل‘ کے

سہ ماہی شارٹ کورسز

کلاسز جاری ہیں

12 جون تا 2 ستمبر 2023ء

For Registration Scan QR
or visit http://bit.1y/3p0I8L1

فزیکل و آن لائن

بلامعاوضہ

برائے رجسٹریشن
0336-1913636
0300-4107282

کامیاب شرکاء کو سرٹیفکیٹ دیئے جائیں گے۔

کورس نمبر 1
پیر، منگل، بدھ 6:00 تا 7:00 بعد عصر
تدریس: حافظ محمد عمران طحاوی (پی ایچ ڈی سکالر)
قرآنی عربی

کورس نمبر 2
Monday پیر 7:30 تا 8:30 بعد مغرب
اسلام اور عصری مسائل۔ تدریس: پروفیسر ڈاکٹر محمد امین
اسلام اور مغربی فکر و تہذیب

کورس نمبر 3
Tuesday منگل 7:30 تا 8:30 بعد مغرب
اسلام اور عصری مسائل۔ تدریس: پروفیسر ڈاکٹر محمد امین
اسلام اور ہمارے سیاسی مسائل

کورس نمبر 4
Wednesday بدھ 7:30 تا 8:30 بعد مغرب
اسلام اور عصری مسائل۔ تدریس: پروفیسر ڈاکٹر محمد امین
اسلام اور ہمارے تعلیمی مسائل

جامعہ رحمانیہ 65 ٹیپو بلاک
نزد برکت مارکیٹ نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

ماہنامہ
البرہان
لاہور

جلد ۲۷، شمارہ ۸، اگست ۲۰۲۳ء/محرم الحرام ۱۴۴۵ھ

مشمولات

○فکرونظر
-۱۴/اگست کا نوحہ | مدیر | ۴
-لعل وگہر (حاصلِ مطالعہ) | | ۵
○مقالۂ خصوصی
مغرب کی الحادی تہذیب کا سیلابِ بلاخیز کیا بچاؤ کی کوئی صورت ہے؟ | پروفیسر ڈاکٹر محمد امین | ۶
○تعلیم وتربیت
-دینی مدارس کے نصاب پر مفتی تقی عثمانی صاحب کی نظر ثانی | ڈاکٹر اختر حسن عزمی | ۱۳
-پنجاب میں کیمبرج یونیورسٹی کے نصاب کا نفاذ | مدیر | ۱۶
-تصوف کے اشغال کی شرعی حیثیت | مولانا محمد منظور نعمانیؒ | ۱۸
-علماء کرام اور فتنۂ تصویر | جوادعبدالمتین | ۲۴
○تفہیم دین
-اسلام کے اجتماعی نظاموں کی تدوینِ نو کا صحیح طریق کار-اجتماعی اجتہاد | پروفیسر ڈاکٹر محمد امین | ۲۷
-مسلم سرمایہ دارانہ ریاستوں میں اقامت دین کی تحریکوں کا لائحہ عمل | ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری | ۳۲
○اسلام اور پاکستان
-متجددین اور قادیانیت ڈاکٹر عمار ناصر اور ہمنواؤں کی خدمت میں | مولانا عبدالرؤف فاروقی | ۳۸
-تبلیغی جماعت کی جدوجہد کا نیا پہلو پوری زندگی میں مکمل دین کا احیاء | مولانا محمد سہیل | ۴۰
-سود کے خلاف جماعت اسلامی کی جدوجہد کے نتائج اور نظرثانی کی ضرورت | پروفیسر ڈاکٹر محمد امین | ۴۳
○اسلام اور مغرب
-بلادِ کفار میں رہائش رکھنا خلافِ اسلام ہے | ڈاکٹر قیصر علی | ۴۷

مدیر
ڈاکٹر محمد امین

ادارۂ تحریر
ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری
حافظ عمران طحاوی

لیگل ایڈوائزر
محمد یحیٰی رشید، ایڈوکیٹ ہائی کورٹ

انچارج سرکولیشن
(0309-4607124)
[برائے خریداری، تجدید، شمارہ تاخیر سے ملنے کی شکایت اور مکتبہ البرہان کی کتب کی خریداری کے لیے]

زرِاعانت: فی شمارہ 85 روپے
سالانہ 1000 روپے- پانچ سال: 5000 روپے
تاحیات 40,000 روپے

تحریک اصلاحِ تعلیم ٹرسٹ
سونیری بنک لمیٹڈ، مین برانچ، لاہور
PK92SONE0000120000056341

برائے رابطہ
136 نیلم بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

برائے آن لائن مطالعہ
www.alburhaan.pk

کمپوزنگ: حافظ محسن یوسف
0306-4640366

۔ایڈورڈ سعید اور اس کی کتاب 'Orientalism' ڈاکٹر تحسین فراقی ۵۱
اس نے استعمار کے اصل مقاصد کو طشت از بام کردیا
O عالم اسلام
افغان طالبان: آزادیٔ نسواں، تعلیم اور ترقی کے چیلنجز سید خالد جامعی ۵۴
O فقہ و قانون
غیر عورت کے بیضہ سے پیدا شدہ اولاد کے مسائل ڈاکٹر حسن مدنی ۶۳
O البرہان کی ڈاک ادارہ
ڈاکٹر ایس ایم زمان، رضی الدین سید، ڈاکٹر اختر حسین عزمی ۷۵
English Section ۸۲
From Bhutto to Imran - Lessons for Islamic Movements
Dr. Javed Akbar Ansari

فکرونظر

۱۴/اگست کا نوحہ

اے اللہ جی!

ہم اقراری مجرم ہیں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہم نے یہ ملک لیتے وقت آپ سے عہد کیا تھا کہ ہم اس میں اسلامی تعلیمات پر عمل کریں گے، اسے اسلام کا قلعہ بنائیں گے، اس میں اسلامی فکروتہذیب پر عمل کریں گے لیکن ہم نے اپنے عہد سے غداری کی، ہم نے اس عہد کو توڑ ڈالا۔

اے اللہ جی! ہمیں معاف فرمادیجیے۔ ہمیں توبہ واستغفار کی توفیق دے دیجیے۔ ہمیں اپنے اعمال سنوارنے کی اور انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادیجیے۔

اے اللہ جی! ہمیں نیک، صالح اور خداخوف حکمران عطا فرمادیجیے۔

اے اللہ جی! ہمیں آپ کے دین سے مخلص، خداخوف، فرقہ واریت سے مبرا اور نفاذِ شریعت میں مخلص دینی قیادت عطا فرمادیجیے۔ آمین یاربّ العٰلمین۔

حاصلِ مطالعہ

لعل و گہر

مولانا ابوالکلام آزادؒ

امام مالک فرماتے تھے ’’جو شخص صوفی ہوا اور فقیہ نہ ہوا وہ گمراہ ہوا اور جو فقیہ ہوا اور صوفی نہ ہوا وہ فاسق رہا اور جس نے ان دونوں کو جمع کیا وہ محقق ہو گیا۔‘‘

(آغا شورش کاشمیری، ابوالکلام آزاد، ص:۵۱)

رئیس امروہوی

کہنے لگے کہ ہم کو تباہی کا غم نہیں
میں نے کہا کہ وجہِ تباہی یہی تو ہے
ہم لوگ ہیں عذابِ الٰہی سے بے خبر
اے بے خبر! عذابِ الٰہی یہی تو ہے

ہو چی منہ (عالمی شہرت کے حامل ویت نامی رہنما)

’’اگر معاشرے کی دس سالہ بہتری چاہتے ہو تو درخت اُگاؤ اور اگر سو سالہ بہتری چاہتے ہو تو تعلیم کے ذریعے انسان بناؤ۔‘‘

امام قفالؒ

قاضی عامری حنفیؒ امام قفالؒ (شافعی) کی مسجد کے پاس سے گزر رہے تھے کہ مغرب کی اذان کی آواز بلند ہونے لگی۔ قاضی عامریؒ سواری سے اترے اور مسجد میں داخل ہو گئے۔

جب امام قفالؒ نے قاضی صاحب کو دیکھا تو اقامت احناف کے مسلک کے مطابق کہنے کا حکم دیا اور قاضی صاحب کو نماز پڑھانے کے لیے مُصلیٰ سونپ دیا۔ انہوں نے اپنے مسلک کی بجائے شوافع کے مسلک کے مطابق نماز شروع کی اور ’’بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ‘‘ اونچی آواز سے پڑھی۔　　(فتاویٰ القفالؒ، ص:۸۷)

مقالۂ خصوصی

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

مغرب کی الحادی تہذیب کا سیلابِ بلا خیز

کیا بچاؤ کی کوئی صورت ہے؟

جو لوگ ردّ فکرِ مغرب کے قائل ہیں ان کی ذمہ داری ہے کہ خود کو منظم کریں اور ملک بھر میں حلقہ ہائے 'تفہیمِ مغرب' قائم کر کے مسلمانوں کو اس سیلاب سے بچانے کی فکر کریں

اسلام اور مغربی فکر و تہذیب کے بارے میں ہماری موجودہ لیکچر سیریز میں ایک لیکچر کے بعد ایک طالب علم نے سوال کیا کہ اگر مغربی تہذیب اتنی ہی غلط اور بری ہے جتنی آپ بتا رہے ہیں تو ہم اس کے برے پہلوؤں اور اس کے نقصانات سے کیسے بچ سکتے ہیں جبکہ آپ نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ تہذیب اس وقت ساری دنیا پر غالب ہے اور مسلم معاشروں خصوصاً پاکستانی معاشرے پر بھی اس کے اثرات بڑی حد تک غالب ہیں اور ان کے مقابلے میں اسلامی اقدار پسپا ہو رہی ہیں۔

یہ سوال بہت اہم ہے اور اس کا جو مختصر جواب ہم نے کلاس میں دیا تھا، اب ہم ذرا تفصیل سے مرتب کر کے البرہان کے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ ہمیشہ کی طرح ہم ایک بار پھر البرہان کے فاضل قارئین سے درخواست کریں گے کہ اگر انہیں ہماری رائے سے اختلاف ہو یا وہ اس میں کوئی حکّ و اضافہ کرنا چاہیں تو البرہان کے صفحات حاضر ہیں۔

۱۔ مغرب کی الحادی تہذیب کے چیلنج سے نمٹنے کی پہلی ضرورت یہ ہے کہ ہمیں اس کے چیلنج کی اہمیت کا احساس ہو، ہمیں اس تہذیب کے غلبے کے مضر اثرات کا احساس ہو کیونکہ جب تک ہمیں احساسِ زیاں اور احساسِ ضرر نہ ہوگا، ہمیں جب تک اس کا درد (Pain) محسوس نہ ہوگا، ہم اس درد اور ضرر کا ازالہ کرنے کی کوشش نہیں کر سکیں گے۔ احساسِ زیاں کا نہ ہونا درحقیقت اس زیاں سے بڑا زیاں ہے۔

۲۔ اس زیاں کا احساس آپ کو اسی وقت ہوگا اور اسی وقت ہو سکتا ہے جب آپ مغربی تہذیب کی حقیقت جانتے ہوں لہٰذا تفہیم مغربی فکر و تہذیب ناگزیر ہے اور اس کی تفہیم کے

ساتھ اسلامی تناظر میں اس کا تجزیاتی اور تنقیدی مطالعہ بھی ضروری ہے۔ تبھی آپ سمجھ سکتے ہیں کہ مغربی تہذیب درحقیقت ایک وضعی دین ہے، دینِ کفر ہے اور یہ اسلام کے متوازی دین ہے۔ مغربی تہذیب کی فکری بنیادیں (ہیومنزم، سیکولرزم، لبرل ازم، کیپٹل ازم، ایمپریسزم وغیرہ) اسلام سے متصادم ہیں، اس کے برعکس ہیں۔ مغربی تہذیب کا ورلڈ ویو (اس کا تصور الٰہ، تصورِ انسان اور تصورِ کائنات) اور اس کا تصورِ علم اسلام کے عقائد، اس کے ورلڈ ویو اور اس کے تصورِ علم کے سو فیصد الٹ ہے لہٰذا مسلمان مغرب کی الحادی فکر و تہذیب کو ردّ کرنے پر مجبور ہیں اور انہیں اس پر مصر ہونا چاہیے۔

لیکن مصیبت یہ ہے کہ ہمارے ملک کے نصاب میں مغرب کی الحادی فکر و تہذیب کے مطالعہ کا اہتمام سرے سے موجود ہی نہیں ہے، نہ کالجوں یونیورسٹیوں میں اور نہ دینی مدارس میں۔ یوں جب اساتذہ ہی کو پتا نہیں ہوتا کہ مغربی فکر و تہذیب کیا ہے تو وہ طلبہ کو کیا بتائیں گے؟ جب دینی مدارس میں یہ موضوع زیرِ بحث ہی نہیں آتا تو ظاہر ہے دینی مدارس سے فارغ التحصیل ہونے والے علماء کرام بھی اس سے بے خبر ہیں لہٰذا مسجد کے منبر و محراب سے بھی مغربی تہذیب اور اس کے مضر اثرات کے خلاف مؤثر آواز نہیں اٹھ سکتی۔ جہاں تک حکمران طبقات (سیاستدان، بیوروکریسی، فوج، عدلیہ)، میڈیا (پرنٹ، الیکٹرانک اور سوشل) اور ادیبوں، صحافیوں اور دانش وروں کا تعلق ہے تو ان کی اکثریت بھی مغرب زدہ ہے اور وہ مغربی تہذیب کے اصول و اقدار کو پاکستانی معاشرے میں پھیلانے کے لیے کام کر رہے ہیں لہٰذا ان سے ردّ فکر مغرب کے حوالے سے کوئی توقع وابستہ کرنا بڑی حماقت ہے۔ یہی حال پاکستان کی سیکولر سیاسی جماعتوں (بلکہ دینی سیاسی جماعتوں کا بھی یہی حال ہے) اور اسلام و مسلم دشمن بیرونی طاقتوں، ان کی خفیہ ایجنسیوں اور ان کی ڈونر ایجنسیوں اور ان کے لیے کام کرنے والی این جی اوز کا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ان حالات میں اصلاح کی کیا صورت ہو؟ ہماری رائے میں ان حالات کی اصلاح کی ساری ذمہ داری، اس حلقۂ فکر پر آ پڑی ہے جو ردّ فکر مغرب کا قائل ہے۔ یہ حلقۂ فکر یہ علمی اور اصلاحی کام کیسے کرے؟ اس کے بارے میں چند تجاویز، متعلقہ حضرات کے غور و فکر کے لیے درج ذیل ہیں:

* پہلی ضرورت تو اس امر کی ہے کہ ردّ فکر مغرب کے قائل حضرات، جو ملک بھر میں

بکھرے ہوئے ہیں، خود کو کسی نظم میں پروئیں، خواہ وہ کتنا ہی ڈھیلا ڈھالا کیوں نہ ہو۔ پھر پاکستان کے ہر بڑے شہر، قصبے اور گاؤں میں (جہاں تک ممکن ہو) تفہیم مغرب کے حلقے قائم کیے جائیں اور ہر حلقے کا ایک ناظم ہو جو اس کام کو آگے بڑھائے اور پھیلائے۔

ہماری رائے میں ان حلقہ ہائے 'تفہیم مغرب' کے پیش نظر تین اہداف ہونے چاہئیں:

ایک: دعوت رجوع الی الاسلام (کسی سیاسی یا مسلکی تعصب کے بغیر اور جمود و تجدد سے بچتے ہوئے)۔

دوم: مغربی فکر و تہذیب کی تفہیم اور اسلامی تناظر میں اس کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ

سوم: ایسے افراد کی تیاری جو مذکورہ بالا دو مقاصد کے لیے جذبے اور محنت سے کام کریں

* یہ حلقۂ ہائے تفہیم مغرب مندرجہ ذیل شعبوں میں کام کریں:

والدین

۱۔ معاشرتی زندگی کا بنیادی یونٹ خاندان ہے اور خاندان کی ابتداء میاں بیوی اور بچوں سے ہوتی ہے۔ مغربی تہذیب نے جس معاشرت کو رواج دیا ہے اس میں خاندان ٹوٹ گیا ہے اور فرد طائر بے بال و پر بن چکا ہے۔ عقل و تاریخ کا سبق یہ ہے کہ جس تہذیب میں عورت و مرد کے تعلقات صحیح بنیادوں پر قائم نہ رہیں اور خاندانی نظام ٹوٹ جائے تو وہ تباہ ہو کر رہتی ہے۔ مغربی تہذیب اس وقت روبہ زوال ہے تو اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اس کا خاندانی نظام ٹوٹ چکا ہے اور اس کی معاشرت کو گھن لگ چکا ہے۔ اب اس کی خواہش یہ ہے کہ مسلمانوں کا خاندانی نظام بھی ٹوٹ جائے کہ بقولِ شاعر ؎

ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

۲۔ لہٰذا حلقہ ہائے تفہیم مغرب کو والدین پر فوکس کرنا چاہیے کہ وہ کسی طرح والدین تک پہنچیں اور انہیں نسل نو کی اسلامی تربیت کی اہمیت کا احساس دلائیں اور انہیں اس کے لیے بھرپور اور تفصیلی رہنمائی مہیا کریں۔ تربیت والدین (Parenting) کے لیے والدین کو یہ بتائیں کہ اپنی اولاد کی اسلامی تربیت ان کی بنیادی ذمہ داری ہے اور اس سے غفلت ان کی دنیا و آخرت دونوں کو خراب کر سکتی ہے۔ اولاد کی اسلامی تربیت کیسے کی جائے؟ اس پر والدین

کی رہنمائی کی شدت سے ضرورت ہے۔

۳۔ والدین کو یہ سمجھانے کی بھی ضرورت ہے کہ مغرب کی انفارمیشن ٹیکنالوجی کی جدید سہولیات انٹرنیٹ، ٹی وی، موبائل، لیپ ٹاپ، کمپیوٹر کا غلط استعمال کس طرح ان کے بچوں کی زندگیوں کو تباہ کرسکتا ہے۔ اور ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کو تعمیری تفریح اور تعمیری مصروفیات مہیا کریں اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے جدید ٹولز کے غلط استعمال کے مضر اثرات سے ان کو بچائیں۔

والدین تک کیسے پہنچا جائے اور ان تک ضروری تحریری اور سمعی و بصری مواد کیسے پہنچایا جائے۔اس کے لیے مندرجہ ذیل تجاویز پر غور کیا جائے؟

i۔ کسی بھی محلے میں جہاں آپ کا کوئی جاننے والا یا ہم خیال رہتا ہو، اس کے گھر میں محلے کے والدین کو چائے یا کھانے پر جمع کیا جائے اور ان کو اسلامی اقدار کی پاسداری اور مغربی اقدار کی ردّ کی طرف متوجہ کیا جائے خصوصاً انہیں ٹی وی، لیپ ٹاپ، کمپیوٹر، موبائل کے غلط استعمال اور ان کے مضر اثرات سے بچنے کی تربیت دی جائے۔اس کے لیے موزوں لٹریچر انہیں مہیا کیا جائے۔اس مقصد کے لیے دلچسپ ڈاکومینٹری تیار کر کے انہیں دکھائی جائے اور مزید تعمیری آڈیو ویژوئل کی طرف ان کی رہنمائی کی جائے۔

ii۔ علاقے میں موجود سکول انتظامیہ کو والدین کی اسلامی تربیت پر قائل کیا جائے۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے والدین کو ہر ماہ سکول میں جمع کیا جائے اور تربیت اولاد کے حوالے سے ان کی رہنمائی کی جائے اور انہیں اس کی ترغیب دی جائے۔

iii۔ بچوں کی اسلامی تربیت اور انہیں غیر اسلامی مغربی اقدار سے بچانے کے لیے لٹریچر تیار کیا جائے۔ جو لٹریچر موجود ہے اسے مہیا کیا جائے۔خصوصاً ایسی تحریریں تیار کی جائیں جو دلچسپ، مختصر اور مؤثر ہوں کیونکہ کتابیں پڑھنے کا رجحان معاشرے میں کمزور ہو رہا ہے۔

iv۔ ایسا سمعی و بصری (Audio-Visual) مواد والدین اور بچوں کے لیے تیار کیا جائے اور ان تک پہنچایا جائے جو اسلامی تربیت کے لیے موزوں ہو، معلوماتی بھی ہو اور دلچسپ بھی۔ یہ کام مالی اور فنی لحاظ سے مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں۔ اس وقت مغربی

مما لک اور بھارت کے کارٹون ٹی وی جو مواد بچوں کو دکھا رہے ہیں وہ مسلم بچوں کے لیے ہر لحاظ سے نقصان دہ ہے بلکہ زہر سے کم نہیں۔ یہی حال بڑوں کے ڈراموں اور فلموں کا ہے۔ اسلامی ذہن رکھنے والے اصحاب خیر اور ادیبوں کو توجہ دلائی جائے کہ وہ اس خلاء کو پُر کرنے کے لیے آگے بڑھیں۔

تعلیمی ادارے

سکولز: سکول کی تعلیم (پری سکول سے لے کر پرائمری، مڈل، سیکنڈری، ہائر سیکنڈری تک) بہت اہم ہے خصوصاً ابتدائی تعلیم (پرائمری و مڈل) بہت اہم ہوتی ہے کیونکہ یہ وہ عمر ہے جس میں بچے کے قلب وذہن کی سلیٹ خالی ہوتی ہے اور اس میں کچھ بھی لکھا جا سکتا ہے۔ یہی وہ عمر ہوتی ہے جس میں بچے کی عادتیں بنتی ہیں اور رویے وجود میں آتے ہیں ہمارے معاشرے میں بچوں کو پری سکول سے ہی مغرب کا فکری غلام بنانے کے اقدامات کا آغاز ہو جاتا ہے جن سے بچنا انتہائی ضروری ہے۔ ہم ان اقدامات کی نشاندہی اس لیے کر رہے ہیں تاکہ حلقۂ تفہیم مغرب کے کارکن جب سکولوں سے رابطہ کریں تو ان کا ذہن بالکل واضح ہو کہ انہوں نے سکول انتظامیہ سے کیا بات کرنی ہے اور انہیں کس کام کے لیے راضی (Convince) کرنا ہے۔

۱۔ انگریزی ذریعۂ تعلیم اور خصوصاً پری سکول سے اس کا آغاز عقلی اور سائنسی لحاظ سے قطعاً غلط اور نقصان دہ ہے۔ چھوٹے بچوں کو بیک وقت چار زبانیں سکھانا (مادری زبان + اردو+ عربی+ انگریزی) ان پر ظلم ہے اور اس کے کمپیوٹر کو کنفیوز کرنا ہے۔ امریکہ و یورپ میں دوسری زبانیں عام طور پر یونیورسٹی سطح پر سکھائی جاتی ہیں جب طالب علم اپنی زبان میں مہارت حاصل کر چکا ہوتا ہے اور اپنی تہذیب وتمدن کو اپنا چکا ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں انگریز چلا گیا لیکن انگریزی کی حکومت ابھی ہے اور اسی طرح انگریز نما کالے حکمرانوں اور مغرب کی الحادی فکر وتہذیب سے مرعوب دانشوروں کا غلبہ بھی ابھی تک معاشرے پر موجود ہے۔ چنانچہ نہ صرف پبلک سیکٹر ایجوکیشن مغرب زدہ ہے بلکہ پرائیویٹ سیکٹر کی تعلیم بھی مغرب زدہ ہے۔ جو لوگ تعلیم میں اسلام کا نعرہ لگاتے ہیں وہ بھی صرف نعرہ ہی لگاتے ہیں، مغربی تہذیب کی

بالادستی کورد ّنہیں کرتے بلکہ الٹا مغربی اصول واقدار ہی کو اپناتے ہیں اور طلبہ واساتذہ کو اسی کی تربیت دیتے ہیں۔

۲۔ انگریزی لباس کو یونیفارم بنانا۔لڑکے پینٹ کوٹ اور نکٹائی پہنتے ہیں اور لڑکیاں وی کی پٹی۔

۳۔ نصابات: مانٹیسوری، اولیول، اے لیول یعنی غیر ملکی اداروں کا نصاب اور پاؤنڈوں میں فیس دے کر ان کے امتحانات اور سرٹیفکیٹ لینا۔قرآن کی تجوید وترجمہ نصاب سے خارج۔اسلامیات کا ہلکا پھلکا غیر مؤثر نصاب۔

۴۔ غیر نصابی ہم نصابی سرگرمیاں: سالانہ گرینڈ گالا، ٹیبلو، ڈرامے،مخلوط پکنک وغیرہ۔

۵۔ سکول کا ماحول: خواتین اساتذہ میک اپ زدہ اور انگریزی سوٹ بوٹ پہنے مرد اساتذہ۔سکولوں میں نہ مساجد، نہ نماز کا اہتمام۔

کالجز/ یونیورسٹیاں

- مغربی فکروتہذیب کی تفہیم، تجزیہ وتنقید کوشامل نصاب ہونا چاہیے۔
- 'اسلامی فکروتہذیب' بھی نصاب کا حصہ ہونا چاہیے اور اسلام اور مغرب میں تقابلی مطالعہ بھی
- قرآن حکیم کا ترجمہ ضرور شامل نصاب ہونا چاہیے۔
- مغربی فکروتہذیب کے مختلف پہلوؤں (نظریات، فکری تحریکوں، مغربی حکماء ودانشوروں، مسلم معاشرے پر ان کے اثرات) پر ایم فل اور پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالات لکھے جائیں۔
- مغربی فکروتہذیب پر تحقیق کے لیے ریسرچ سنٹرز یونیورسٹیوں میں قائم کیے جائیں۔
- سوشل سائنسز (عمرانی علوم) کی تدریس میں اسلامی اور مغربی علوم میں تقابلی مطالعے کوفروغ دینا۔
- علوم اسلامیہ کے نصابات پر نظر ثانی کرنا
- لائبریری میں مغربی فکروتہذیب پر کتب جمع کرنا

۔ اسلامی تربیت کو اہمیت دینا

دینی مدارس

۱۔ مغربی فکر و تہذیب کی تفہیم اور اسلامی تناظر میں اس کا تجزیہ اور تنقید

۲۔ علوم اسلامیہ کے نصاب پر نظر ثانی کرنا۔خصوصاً اس میں 'اسلام اور عصری مسائل' اور مغرب کے پیدا کردہ مسائل کا مطالعہ کرنا۔طلبہ میں اجتہادی سپرٹ بیدار کرنا۔

۳۔ مدرسہ کی لائبریری میں اسلام اور مغرب پر کتب جمع کرنا۔

۴۔ عمرانی علوم کی اسلامی تناظر میں تدریس

۵۔ مدرسہ میں بعد عصر جدید تعلیم یافتہ افراد کی اسلامی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرنا

لٹریچر

۱۔ مغربی فکر و تہذیب کی تفہیم اور اسلامی تناظر میں اس کے تجزیاتی اور تنقیدی مطالعے کے لیے آسان اور عام فہم لٹریچر کے علاوہ گہری علمی کتابوں کی تالیف و ترجمہ جن میں مختصر بھی ہوں، متوسط حجم کی بھی اور ضخیم بھی۔

۲۔ مغربی فکر و تہذیب پر تحقیقی جرائد کا اجراء، اردو اور انگریزی دونوں میں۔

آڈیو ویڈیو مواد

۱۔ پرنٹ، الیکٹرانک اور سوشل میڈیا کے ذریعے عوام و خواص تک پہنچایا جانے والا مواد تیار اور اپ لوڈ کرنا۔

۲۔ ان موضوعات پر ہونے والے مباحث میں حصہ لینا۔

بہاولپور اسلامیہ یونیورسٹی کے واقعات کی مذمت

بہاولپور اسلامیہ یونیورسٹی نے جو جامعہ عباسیہ کے نعم البدل کے طور پر وجود میں لائی گئی تھی، چند ہی سال میں اپنا دینی مزاج کھو دیا تھا اور ایک عام سیکولر یونیورسٹی بن گئی تھی۔لیکن اب جو اس کے حالات سامنے آئے ہیں وہ اتنے شرم ناک اور غم ناک ہیں کہ اس معاشرے اور ملک کو اسلامی نظریے پر قائم دیکھنے کی خواہش رکھنے والوں کی نیندیں اُڑ جانی چاہئیں۔ہم حکام سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ مجرموں کی سرکوبی میں مداہنت سے کام نہ لیں تاکہ یونیورسٹیوں میں بے دین اور شر پسند لوگوں کی حوصلہ شکنی ہو۔

تعلیم و تربیت

ڈاکٹر اختر حسین عزمی [۱]

دینی مدارس کے نصاب پر مفتی تقی عثمانی صاحب کی نظر ثانی

کچھ قابلِ نظر ثانی امور پر مفتی صاحب کی نظر نہیں گئی

ماہنامہ البرہان فروری، مارچ اور مئی 2023ء کے تین شماروں میں ''دینی مدارس کے نصاب و نظام پر نظر ثانی کی ضرورت'' کے عنوان کے تحت مفتی تقی عثمانی صاحب کا تفصیلی مضمون شائع ہوا۔ یہ بات خوش آئند ہے کہ خود مدارس سے وابستہ ایک بڑی شخصیت نے اس موضوع پر تفصیلی اظہار خیال اور نئی تجاویز پیش کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ مدارس میں عربیت کے فروغ کی ضرورت، مغربی تہذیب کی تفہیم کا احساس، تزکیہ و اخلاق کی گرتی ہوئی حالت کا ادراک، انگریزی زبان سیکھنے کی ترغیب اور اس جیسی دیگر تجاویز قابل قدر ہیں لیکن اتنے طویل مضمون میں اگر کہیں ذکر نہیں آیا تو وہ طلبا کے قرآن سے تعلق کا ہے۔ ''آسان ترجمہ وتفسیر'' کے مولف سے زیادہ کون جانتا ہے کہ ہمارے مدارس کے نصاب میں تفسیر قرآن اور علوم قرآن کو جس سرسری انداز سے نمٹایا جاتا ہے، اس سے طالب علم میں قرآنی معارف سے متعلق کتنی گہرائی پیدا ہوتی ہے؟

۱۔ احیائے دین اور احیائے امت کے لیے عوام الناس میں تعلق بالقرآن اور رجوع الی القرآن کتنا ضروری ہے، اس کا احساس و ادراک کرتے ہوئے شاہ ولی اللہؒ نے ہندوستان میں پہلی مرتبہ فارسی ترجمہ کرنے کی جرأت کی۔ مخالفانہ فتوؤں کا سامنا کیا۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے بیس سالہ اسیری کے بعد امت کے مرض کی جو تشخیص بیان کی وہ اس امت کی قرآن سے دوری ہے اور انہوں نے کہا کہ اب میں عوام الناس کے بڑے بڑے اجتماعات میں قرآن سمجھاؤں گا۔ اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی دعوتی سرگرمیاں ہوں یا تعلیمی و تربیتی، ان میں قرآن کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ دعوت میں قرآن کی چند آیات، سورتیں ضرور سناتے۔ جو مسلمان ہو جاتے انہیں قرآن کی تعلیم دیتے۔ لیکن اتنے طویل مضمون میں مفتی

---

[۱] پروفیسر علوم اسلامیہ، لاہور

صاحب کا قرآن کے حوالے سے ایک سطر بھی تحریر نہ کرنا ظاہر کرتا ہے کہ اس حوالے سے انہیں کوئی تشویش اور فکر مندی نہیں ہے۔ تزکیہ و تربیت اخلاق کے لیے مدارس کے نصاب میں انہوں نے اکابرین دیوبند کی کتب کے اجتماعی مطالعے کو تو تجویز کیا ہے، اکابر صوفیا اور تصوف کے مطالعے پر بھی زور دیا ہے لیکن اللہ کا کلام جو سب سے بڑا مزکیّ و مربی ہے، اس سے تعلق کے فروغ بارے میں انہوں نے کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔ کیا اس سے یہ سمجھا جائے کہ مدارس کا قرآنی نصاب اور اس کی تعلیم و تربیت کسی اصلاح کی متقاضی نہیں ہے؟ جس مضمون کو تمام مضامین کا امام ہونا چاہیے، اس کے بارے میں مفتی صاحب کی عدم تشویش بذات خود تشویش کی بات ہے۔

۲۔ مدارس دینیہ کا نصاب اور ماحول اپنے طلبا میں اجتہادی بصیرت پیدا کرنے میں کتنا کامیاب ہے؟ حالات وظروف میں کتنی بڑی تبدیلیاں واقع ہو چکی ہیں اور ان کے پیش نظر کتنے بڑے اجتہادی مسائل ہماری نظرِ توجہ کے محتاج ہیں؟ ہمارے مدارس کے علماء وطلبا کو اس کا کتنا احساس وادراک ہے؟ مسجد کے امام میں معاشرے کا امام بننے کی کتنی صلاحیت موجود ہے؟ یہ بات بھی مفتی صاحب کی نظروں سے اوجھل نہ ہوگی لیکن انہوں نے اس کی طرف معمولی سا اشارہ بھی نہیں فرمایا۔ شاید مقلّد ہونے کا یہ مطلب سمجھ لیا گیا کہ اجتہادی ضرورتوں کا ذکر بھی نہ کیا جائے۔

۳۔ تیسری بات جو اس مضمون میں مفتی صاحب کے مرتبے سے فروتر محسوس ہوئی وہ یہ ہے کہ انہوں نے مدارس دینیہ کے طلبا کے لیے اکابرین دیوبند کے سوانح کے مطالعے کو ضروری قرار دیا ہے۔ ان قابل تقلید اکابرین کی سوانح حیات کے نام بھی لکھے اور اس تجویز پر انہوں نے تین صفحے رقم کیے۔ اتنا اظہار خیال انہوں نے باقی کسی تجویز پر نہیں کیا۔ اگر تو مضمون نگار صرف دیوبندی مسلک کے مدارس کو ہی مدارس دینیہ سمجھتے ہیں تو پھر تو اور بات ہے، لیکن اگر وہ دیگر مسالک کے مدارس کو مدارس دینیہ ہی سمجھتے ہیں تو کیا ان کے طلبا و اساتذہ کے تزکیہ نفس اور تعمیر شخصیت کے لیے دیوبندی اکابر ہی نمونہ قرار پائیں گے؟ کیا دیگر مسالک کی اہل علم شخصیات اور اساتذہ میں کوئی بھی شخصیت ایسی نہیں جس کا وہ مطالعہ کر سکیں۔ حنفی ہونے کے

اعتبار سے تو بریلوی مکتب فکر اور دیو بندی اصولی لحاظ سے قریب ہیں۔

مفتی صاحب دیگر مسالک کے اساطین علم میں سے بھی چند ایک شخصیات کے مطالعہ کی تجویز دے دیتے تو مضمون کی وقعت کچھ مزید بڑھ جاتی۔ اور نہیں تو پیران سیال شریف اور پیران گولڑہ شریف میں سے ہی کسی کا نام شامل کر دیتے کہ ان کی تو کچھ نہ کچھ فکری قربت بھی دیو بند سے رہی ہے۔ محمدی شریف (ضلع جھنگ) والے مولانا محمد ذاکر کی سوانح ''ذکرِ ذاکر'' اور مولانا محمد نافع کی ''حیاتِ نافع'' کا ہی ذکر کر دیتے کہ یہ دونوں ہستیاں دیو بند اور بریلوی مکتب فکر کا سنگھم ہیں۔ مولانا ذاکر کو تو ہر الیکشن میں دینی بنیاد پر عوامی حمایت کے ساتھ ایم این اے بننے کا بار بار اتفاق ہوا۔ اہل حدیث مسلک کے مولانا داؤد غزنوی کا نام ہی ڈال دیتے جن کی مولانا احمد علیؒ لاہوری سے بڑی قربت تھی۔ اپنے مسلک کی تنگنائیوں سے باہر دیکھنے کی سوچ اگر ہم نے طلبا میں پیدا نہ کی تو مدارس کی ہم کیا اصلاح کریں گے؟

۴۔ مفتی صاحب نے فرق باطلہ کے تقابل و مطالعے کی بھی بات کی ہے۔ کوئی حرج نہیں لیکن سوال تو یہ ہے کہ یہاں اہلسنت کے ہی تمام مسالک ایک دوسرے کو فرقہ باطلہ سمجھ کر ایک دوسرے کی تکفیر کر رہے ہوتے ہیں، حالانکہ اختلافات اتنے زیادہ نہیں جتنے ہمارے رویّوں نے بڑھا چڑھا کر بنا دیے ہیں۔ اس لیے کہ ہمارے مدارس میں اختلاف اور اس کے دلائل تو پڑھائے جاتے ہیں اور پڑھانے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن خرابی یہ ہے کہ مدارس میں جس شدّ و مد سے اختلافی دلائل ذکر کیے جاتے ہیں، اسی شدّ و مد کے ساتھ اختلاف کا سلیقہ اور آدابِ طلباء کو نہیں پڑھائے اور بتائے جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ دینی مدرسے کا فاضل ہر اختلاف کو کفر و اسلام کا اختلاف سمجھ کر سیخ پا ہو جاتا ہے۔ ہمارے سلف کی علمی روایت میں جس طرح اختلاف رائے کی مثالیں موجود ہیں وہاں اختلاف کے آداب کی بھی ایک مستحکم روایت موجود ہے۔ آج اپنے سے مختلف مسلک کے بارے میں دشنام طرازی کا جو ماحول ہے، کیا اس کے سب سے بڑے ذمہ دار خود اہل مدارس نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو پھر اصولِ اختلاف کو بھی نصاب کا لازمی حصہ بنانے پر مفتی تقی عثمانی صاحب کو زور دینا چاہیے۔

تعلیم و تربیت

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

پنجاب کے سکولوں میں کیمبرج یونیورسٹی کے نصاب کا نفاذ

تعلیم کے خلاف ایک اور سازش

ساری اساتذہ اور طلبہ تنظیموں کو اس کے خلاف احتجاج کرنا چاہیے

پنجاب کے سیکنڈری بورڈز کے چیئرمینوں کی کمیٹی نے ایف اے، ایف ایس سی میں کیمبرج یونیورسٹی کی طبع کردہ کتابوں کے نفاذ کی منظوری دے دی ہے اور پنجاب کریکلم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ فزکس، کیمسٹری، کمپیوٹر سائنس، بیالوجی اور ریاضی کی کتابیں خود تیار کرنے اور طبع کرنے کی بجائے کیمبرج یونیورسٹی پریس کی شائع شدہ کتابیں پنجاب کے سکولوں کے طلبہ کو مہیا کرنے کا انتظام کرے۔

بہانہ یہ بنایا گیا ہے کہ معیاری اور بین الاقوامی معیار کی کتابیں طلبہ کو مہیا کی جائیں۔ اس سے پہلے یہ مخصوص مغرب زدہ اور کمیشن خور طبقہ میٹرک اور ایف اے کی بجائے او اور اے لیول کی طرف قوم کے نونہالوں کو لے جا چکا ہے۔ سکولوں میں آکسفورڈ کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اور مونٹی سوری کی تربیت دی جاتی ہے۔ انگریزی کو ذریعۂ تعلیم بنا دیا گیا ہے اور کہیں پری سکول سے انگریزی کو لازمی مضمون بنا دیا گیا ہے۔ اس طرح ہر سو انگریزی کی حکومت قائم کر دی گئی ہے۔

اس سب سے اصل مقصود یہ ہے کہ پاکستانی مسلمانوں کو مغرب کا فکری غلام بنایا جائے تاکہ مغربی فکر و تہذیب کی غلامی ان کے خون میں رچ بس جائے۔ او اور اے لیول کی وجہ سے اور اب کیمبرج کی کتابوں کی وجہ سے کروڑوں پونڈ کا قیمتی زرمبادلہ برطانیہ منتقل ہو گا۔ ضمیر فروش اس میں سے کمیشن کھائیں گے اور مغرب کے گن گائیں گے۔

ہم مرکز اور پنجاب کی وزارت تعلیم سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ کیمبرج یونیورسٹی کی کتابیں لگوانے کا فیصلہ واپس لے اور پنجاب کریکلم اور ٹیکسٹ بک بورڈ کی کتابیں ہی پنجاب کے سکولوں میں لگائی جائیں۔ ضرورت ہے تو ان کے معیار کو مزید بہتر بنایا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ کرپٹ ملازمین، افسر اور کمیشن خور مافیا ہر جگہ موجود ہے اور وہ اپنے ذاتی گھٹیا مالی مفاد کے لیے ملک و قوم کا نقصان کرتا ہے۔ ضروری ہے کہ انہیں خوفِ خدا یاد دلایا جائے اور حکومت قوت سے ان کی حرام خوری

کے راستے بند کرے اور قوم کی تعلیم سے کھلواڑ کرنے والے ان جغادریوں کی حوصلہ شکنی کی جائے۔

ہم اساتذہ اور طلبہ کی ساری تنظیموں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس کے خلاف احتجاج کریں بلکہ تحقیق کے بعد کمیشن خور مافیا کے خلاف ایف آئی اے میں درخواست دی جائے اور ان لوگوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کی کوشش کی جائے۔

Sr. No.	Subject	Title of Best International Book	Authors	Publisher
1	Biology	Cambridges International AS & A Level: Biology	Mary Jones, Richard Fosbery, Dennis Taylor & Jennifer Gregory	Cambridge University Press
2	Chemistry	Cambridges International AS & A Level, Course Book: Chemistry	Lawrie Ryan & Roger Norris	Cambridge University Press
3	Physics	Cambridges International AS & A Level, Course Book: Physics	David Sang, Graham Jones, Gurinder Chadha & Richard Woodside	Cambridge University Press
4	Computer Science	Cambridges International AS & A Level: Computer Science	David Watson and Helen Williams	Hodder Education
5	Mathematics	Pure Mathematics 1 Coursebook	Sue Pemberton	Cambridge University Press
		Pure Mathematics 2 & 3 Coursebook	Sue Pemberton, Julianne Hughes	
		Mechanics 1 Coursebook,	Douglas Quadling and Julina Gibey	
		Probability & Statistics 1 Coursebook	Dean Chalmers	

PUNJAB BOARDS COMMITTEE OF CHAIRMEN

Camped at

BOARD OF INTERMEDIATE AND SECONDARY EDUCATION LAHORE

SECRETARY
secretarypbcclahore@gmail.com
Office: 042-99200152
042-99200153

CONTROLLER
controllerbiselahore2019@gmail.com
Office: 042-99200033
042-99200034

No. 768-SY/PBCC/LHR
Dated: 13-07-2023

NOTIFICATION

The Punjab Boards Committee of Chairpersons in its meeting held on **11th July, 2023 vide agenda item No. 1**, the house unanimously resolved that Punjab Text Book Board should replace its books for intermediate as per international standards for five subjects (i) Mathematics, (ii) Biology, (iii) Chemistry, (iv) Physics and (v) Computer Sciences to elevate education standard of our candidates to let them cope with international learning practices. Therefore, PCTB may be approached to initiate immediate working for (i) adoption of particular international standard books, (ii) negotiations of copyrights/royalty and (iii) initiate printing process to make these books available for our students in the earliest possible.

It is pertinent to mention here that BISEs of Punjab had already adopted an international standard book of Biology for Intermediate students titled *"An Inquiry into Biological Life"* in 1972 vide letter No. 2933-SE/G dated 21.1.72 which was printed by Punjab Text Book Board through its publishers. Therefore, adoption of international standard books would be revival of previous good practice.

(DR. BUSHRA BIBI)
Secretary, PBCC/BISE, Lahore

Copy to:

1. PS to Chairman PBCC/Secretary, HED, Punjab, Lahore
2. Special Secretary, HED, Punjab, Lahore
3. AS (Boards) HED, Punjab, Lahore.
4. DS (Boards) HED, Punjab, Lahore
5. All the Chairpersons/Commissioners BISEs in Punjab with the request to take necessary actions at your end.
6. The Controller of Examinations, PBCC / BISE Lahore

تعلیم و تربیت　　　مولانا محمد منظور نعمانیؒ

تصوف کے اشغال کی شرعی حیثیت

۱۔ ایک صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ:

’’تصوف کی جو اہمیت آپ کے اس مقالہ سے ظاہر ہوتی ہے، اگر واقعتاً اس کی اتنی ہی اہمیت ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے متعلق اور اس کے اعمال واشغال سے متعلق صریح احکام کیوں نہیں دیئے؟ یہ بات بالکل سمجھ میں نہیں آتی کہ کوئی چیز دین میں اس قدر ضروری ہو کہ ایمان واسلام کی تکمیل اس پر موقوف ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے امت کو اس کی تعلیم نہ دی ہو۔‘‘

معلوم ہوتا ہے، ان صاحب نے میرے مقالہ کو بالکل غور سے نہیں پڑھا۔ میں نے جو کچھ اس میں لکھا ہے اس کا حاصل ہی یہ ہے کہ تصوف کا جو مقصود ہے اور جو اس کی غایت اور غرض ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت وخشیت اور یقین واستحضار اور اخلاص واحسان جیسی کیفیات کا حاصل کرنا)، سو اس کی تو دین میں اہمیت ہے اور یقیناً ایمان واسلام کی تکمیل اس پر موقوف ہے اور بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ امت کو اس کی تعلیم وترغیب بھی دی ہے۔ کتاب وسنت کے جو نصوص اس سلسلہ میں پہلے لکھے جا چکے ہیں وہ اس کے ثبوت کے لیے کافی سے زائد ہیں۔ رہے اس کے خاص اعمال واشغال (مثلاً اذکار ومراقبات وغیرہ) تو میں بصراحت لکھ چکا ہوں کہ یہ اس کے صرف وسائل اور ذرائع ہیں اور اس قسم کے ذرائع اور وسائل کے متعلق نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم طریق تعلیم اور اصول تشریع کا تقاضا یہی ہے کہ ان کی تصریح اور تعین نہ کی جائے تا کہ ہر زمانے کے حالات کے مطابق جو جائز ذرائع اور وسائل مناسب سمجھے جائیں، انہیں اختیار کیا جا سکے۔ اور اس میں تصوف کی کوئی خصوصیت نہیں، بلکہ دین کے دوسرے شعبوں کا حال بھی یہی ہے۔ غور فرمایا جائے کہ دین کا سیکھنا سکھانا دین کے بنیادی فرائض میں سے ہے لیکن کتاب وسنت میں اس کے طریقے کی بھی کوئی تعیین نہیں کی گئی۔

اسی طرح قرآن مجید کی حفاظت اور اشاعت امت کا کتنا اہم فریضہ ہے لیکن رسول

پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے متعلق یہ بھی نہیں بتایا کہ تم اس کے لیے فلاں فلاں طریقے اختیار کرنا، حتیٰ کہ جب عہد صدیقی میں یمامہ کی جنگ میں چار سو حافظ قرآن صحابہؓ شہید ہو گئے، تو سب سے پہلے حضرت عمرؓ کو یہ خیال ہوا کہ سینوں میں محفوظ کرنے کے علاوہ ہمیں قرآن کو سفینوں میں محفوظ کرنے کا بھی انتظام کرنا چاہیے اور اس سلسلہ میں خاص اہتمام اور ذمہ داری سے ایک سرکاری نسخہ بھی تیار ہونا چاہیے، چنانچہ انہوں نے اپنی یہ تجویز حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے پیش کی، حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ابتداءً اس کے ماننے میں تامل ہوا اور انہوں نے یہی فرمایا کہ جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ تو خود کیا اور نہ ہمیں اس کا حکم دیا، اس کا ہم کیوں اہتمام کریں؟ لیکن حضرت عمرؓ کے دلائل سے بالآخر مطمئن ہو گئے اور پھر انہی کے حکم سے حضرت زید بن ثابت انصاریؓ کی خاص نگرانی میں یہ کام انجام پایا۔ پھر حضرت عثمانؓ نے اس سلسلے میں ایک اور قدم اٹھایا کہ اپنے خاص اہتمام سے اور اپنی نگرانی میں اس مصحف کی نقلیں کرا کر تمام بلاد اسلامیہ میں روانہ کیں اور اس وقت سے لے کر اب تک قرآن مجید کی حفاظت واشاعت، تعلیم وتبلیغ اور ترجمہ وتفسیر کے سلسلے میں خدمتِ قرآن کے کتنے ہی نئے نئے قدم اٹھائے جا چکے ہیں۔

پس یہ خیال کہ جو چیز دین میں اہم ہو، اس کے ذرائع اور وسائل کی تصریح اور تعین بھی کتاب وسنت میں ہونی چاہیے اور امت کی قیامت تک کی دینی ضروریات کے متعلق تفصیلی اور جزئی ہدایات ہمیں تصریح اور تعین کے ساتھ کتاب وسنت میں ملنی چاہئیں، بہت ہی سطحی قسم کا مغالطہ ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے طریقِ تعلیم اور اصولِ تشریع سے ناواقفی کا نتیجہ ہے۔

۲۔ ایک صاحب نے دریافت کیا کہ:

اللہ کی محبت وخشیت اور اخلاص واحسان وغیرہ ایمان کی کیفیات پیدا کرنے کے لیے، تصوف میں جن اعمال واشغال (مثلاً صحبت شیخ اور اذکار و مراقبات وغیرہ) پر زور دیا جاتا ہے، کیا کتاب وسنت میں کہیں اس کا اشارہ ملتا ہے کہ ان چیزوں سے یہ کیفیات پیدا ہو سکتی ہیں؟

اس کے جواب میں عرض ہے کہ اگرچہ واقعہ یہی ہے کہ اس عاجز کے نزدیک صحبت اور ذکر فکر کا قلب پر اثر انداز ہونا، کتاب وسنت سے اشارۃً ہی نہیں، بلکہ صراحتاً بھی معلوم اور

ثابت ہے ※ لیکن اگر بالفرض کتاب وسنت میں اس کا کوئی اشارہ نہ بھی ہو، تب بھی اصل مدعا پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جب اسلام کی تیرہ سو سال کی تاریخ میں اللہ تعالیٰ کے لاکھوں صالح بندے اپنا یہ تجربہ بیان کررہے ہیں کہ ان اعمال صالحہ سے یہ کیفیات پیدا ہوجاتی ہیں تو ان کی اس تاثیر اور افادیت کو ہمیں مان لینا چاہیے۔

میرے جن دوست نے یہ سوال کیا ہے، وہ ''صالح لٹریچر'' کے ذریعہ اصلاح پر بہت یقین رکھتے ہیں، (مجھے بھی اس سے انکار نہیں ہے) لیکن وہ سوچیں، کیا کبھی ان کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ ان کے ''صالح لٹریچر'' کی اس تاثیر کے متعلق کوئی اشارہ کتاب وسنت میں موجود ہے؟ میرا خیال ہے کہ ان کے دل میں کبھی یہ سوال پیدا نہ ہوگا، کیونکہ وہ اپنے ذاتی علم وتجربے سے اور اپنے جیسے بہت سے لوگوں کے تجربے سے اس بارے میں مطمئن ہیں۔ عجیب بات ہے کہ اپنی چیزوں اور اپنے تجربوں کے ساتھ تو ہمارا طرزِ عمل یہ ہے، لیکن حضرت جنید بغدادیؒ، سری سقطیؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ، مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندیؒ، شاہ ولی اللہؒ، سید احمد شہیدؒ جیسے ہزاروں بندگانِ خدا کا اجماع اور اتفاقی تجربہ بھی ہمارے لیے موجب اطمینان نہیں۔

۳۔ ایک صاحب نے ذکر میں جہر اور ضرب سے اپنا سخت طبعی انقباض ظاہر کیا ہے اور یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ:

''اس میں ریاکاری کا شبہ ہوتا ہے اور آج کل کے اکثر سنجیدہ حضرات اس کو ریاکاری ہی سمجھتے ہیں۔''

جہری اور ضربی ذکر سے، طبعی انقباض تو ایک ذوقی اور طبعی چیز ہے، اس لیے اس کے بارے میں کچھ عرض کرنے کی حاجت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی طبیعتیں اور ان کے ذوق بہت مختلف بنائے ہیں، بعض طبیعتیں وہ بھی ہیں جنہیں جہری اور ضربی ذکر ہی سے انس اور سکون حاصل ہوتا ہے، اسی لیے مشائخ محققین طبیعتوں کے رخ اور ان کی مناسبتوں کو دیکھ کر جہری یا سِرّی ذکر یا دوسرے اشغال ان کے لیے تجویز کرتے ہیں، لیکن ذکر بالجہر کے بارے میں ریاکاری کا جو شبہ ظاہر کیا گیا ہے یہ میرے نزدیک بالکل بے سوچی سمجھی بات ہے۔ اس زمانہ میں جب

کہ بقول انہی صاحب کے سنجیدہ آدمی ذکر بالجہر کو ریاکاری سمجھتے ہیں، اپنا اندازہ یہی ہے کہ کسی کو بالجہر ذکر کرتا دیکھ کر، لوگ اس کے معتقد نہیں ہوتے، بلکہ بہت سے آدمی اس کو کم عقل یا مکار اور ریاکار سمجھتے ہیں، پھر ایسی حالت میں جہری ذکر میں ریاکاری کا امکان فی زماننا بہت کم ہے بلکہ اپنا تجربہ تو یہ ہے کہ آج کل کے ماحول میں ذکر بالجہر اکثر ریا شکنی کا ذریعہ ہوجاتا ہے اور دفع خطرات وساوس میں ذکر بالجہر کی تاثیر اہل تجربہ کے نزدیک بالکل مسلّم ہے۔

اس سلسلہ میں اتنی بات یہاں اور قابل ذکر ہے کہ ذکر میں جہر اور ضرب کے جو طریقے تصوف کے بعض سلاسل میں معمول ہیں، فن طب اور علم النفس کی روشنی میں ان کی افادیت اور تاثیر بڑی آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے۔ یہ عاجز تو تصوف کے اکثر اشغال کے متعلق یہی سمجھتا ہے کہ بعض کیفیات اور تاثرات اپنے اندر پیدا کرنے کے لیے، سب ایک طرح کی طبی اور نفسیاتی تدبیریں ہیں۔

۴۔ ایک صاحب نے فرمایا کہ:

''تم نے اپنے مقالہ میں مقامات اور لطائف پر کوئی روشنی نہیں ڈالی، حالانکہ یہ تصوف کے وہ عناصر ہیں جنہیں سمجھے سمجھائے بغیر تصوف کو نہیں سمجھا جاسکتا۔''

جواباً گزارش ہے کہ اس عاجز کے نزدیک لطائف ومقامات کو کوئی مقصدی اہمیت حاصل نہیں اور اس راہ کے جن بزرگوں کی خدمت میں حاضری اور ان کے ارشادات سننے کی سعادت راقم کو نصیب ہوتی رہی ہے، ان سب سے بھی ہمیشہ یہی سنا کہ یہ لطائف وغیرہ راستہ چلنے والوں کے اپنے محسوسات اور ملاحظات ہیں۔ نہ یہ خود مقصود کے لیے ذریعہ اور اس لیے اس کو اہمیت دینا نہ صرف یہ کہ غیر صحیح ہے بلکہ اصل مقصد کے لیے مضر ہیں۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ ان چیزوں میں ہر راہرو کا ادراک یکساں ہی ہو، بلکہ بعض اکابر سے سنا کہ اللہ کے بہت سے بندے ایسے بھی ہوتے ہیں، جو سلوک کی راہ میں اللہ تعالیٰ کی عنایت وتوفیق سے بہت تیزی سے ترقی کرتے ہیں اور سلوک وتصوف جو اصل مقصد ہے، وہ ان کو بفضل تعالیٰ نصیب ہوتا ہے اور آخر تک انہیں کسی لطیفہ اور کسی مقام کا بھی ادراک واحساس نہیں ہوتا۔

اس عاجز کو اس دور کے جن اکابر سلوک سے شرف نیاز حاصل ہوا، ان سب کو اس بات

پر متفق پایا کہ خاص کر اس زمانہ کے لیے یہی اجمالی سلوک زیادہ مناسب ہے اور محققین نے تصریح فرمائی ہے کہ صحابہ کرامؓ کا سلوک بھی اجمالی ہی تھا۔

۵۔ ایک صاحب نے فرمایا کہ:

''ہم بہت سے آدمیوں کو دیکھتے ہیں کہ برسوں خانقاہ میں رہنے اور ذکر شغل کرنے کے باوجود، ان میں وہ چیزیں پیدا نہیں ہوتیں، جن کے لیے تصوف اور خانقاہیت کی ضرورت بتلائی جاتی ہے۔''

بلاشبہ یہ بات بڑی حد تک صحیح ہے۔ لیکن انصاف فرمایا جائے یہ حال اب صرف خانقاہوں ہی کا نہیں ہے، بلکہ ہمارے دینی مدرسوں اور دوسرے تمام دینی اصلاحی سلسلوں کا حال بھی اس وقت یہی ہے کہ سینکڑوں میں دس بیس مشکل سے نکلتے ہیں، تو کیا ان سب کو غلط اور فضول قرار دے کر ایک دم ختم کر دینا صحیح طرز عمل ہوسکتا ہے؟ صحیح طریق کار ان حالات میں یہ ہے کہ ہر سلسلہ اور ہر ادارہ کو زیادہ مفید اور کارآمد بنانے کی ہر ممکن کوشش اور تدبیر کی جائے اور اس میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائے لیکن نتائج میں کمی اور نقص دیکھ کر اس کو سرے سے ختم کر دینے اور فضول قرار دینے کا فیصلہ نہ کیا جائے۔ جن ناسازگار حالات میں اور جس انتہائی درجہ کے فاسد اور سخت مادہ پرستانہ ماحول میں ہمارے ان دینی اداروں کو کام کرنا پڑ رہا ہے، ان میں پانچ دس فیصد کی کامیابی بھی ہرگز ناکامی نہیں ہے۔

۶۔ ایک صاحب نے فرمایا کہ:

''صوفیوں کے طرز عمل سے جو کچھ ہم نے سمجھا ہے، وہ تو یہ ہے کہ تصوف دراصل ''رہبانیت'' اور گوشہ نشینی کا نام ہے اور اس کی تائید کرنا دراصل اسلام میں رہبانیت کو دخل کرنا ہے۔''

میرے نزدیک یہ بھی ان ہی باتوں میں سے ہے، جو اس سلسلہ میں بے سوچے سمجھے کی جاتی ہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں، دراصل خود ان کے دل میں تصوف کے غلط معنی بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ اپنی غلط فہمی کی بنا پر صوفی صرف ان ہی لوگوں کو سمجھتے ہیں جو رہبانیت پسند ہیں اور گوشہ گیر ہیں اور پھر اپنے اسی تصور کی بنیاد پر وہ کہتے ہیں کہ

تصوف رہبانیت کا نام ہے اور ہر صوفی ''راہب'' ہی ہوتا ہے۔ اگر یہ حضرات خود اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوتے اور تصوف کے لیے رہبانیت اور گوشہ گیری کو ضروری نہ سمجھتے، تو اس دور میں بھی ایسے بہت سے بندگان خدا دیکھ سکتے تھے، جو بحمد للہ سچے صوفی بھی ہیں اور مرد میدان بھی، مگر بات وہی ہے کہ جو گوشہ گیر نہ ہو، یہ بیچارے اپنی کم نگاہی سے اس کو صوفی مان ہی نہیں سکتے، اس کا علاج تو خود اپنے علم اور تصور کی تصحیح سے ہی ہو سکتا ہے۔

آخری بات

آخر میں عرض کرنا ضروری ہے کہ یہ ناچیز اس تصوف کا قائل اور حامی ہے جس کا ذکر اس مقالہ میں کیا گیا ہے، اور یہی اہل حق کا تصوف ہے۔ باقی اس نام سے سیکڑوں خانقاہوں میں شرک و بدعت کا جو کاروبار ہوتا ہے، اللہ نے اپنے جس بندے کو بھی ایمانی بصیرت کا کوئی ذرہ نصیب فرمایا ہو، وہ یقیناً ان سے بیزار ہوگا۔

بقیہ: علماء کرام اور فتنۂ تصویر

اگر ضرور ہی الیکٹرونک میڈیا کے اس ذریعے کو استعمال کرنا ہے تو کم از کم اللہ ربّ العزت کی مقرر کردہ حدود کا خیال کرتے ہوئے ''اپنے مبارک چہروں کی تصویریں اور ویڈیوز بنانا بند کردیں'' ورنہ ہمیشہ کی طرح اللہ ربّ العزت اپنے حکم کو ہی غالب رکھے گا اور آپ کو بھی وہی نتائج حاصل ہوں گے جو عرب دنیا کے مسلمانوں نے تصویر کشی اور ویڈیو گرافی کے ذریعے پچھلے پچاس سال میں حاصل کیے، یعنی وہاں کے لوگوں کی زندگی میں دین سے دوری اور مغرب زدہ ذہنیت اس قدر عام ہوگئی کہ اب اُن علاقوں کے مقدس مقامات پر جا کر سوائے رونے کے اور اللہ ربّ العزت سے توبہ اور استغفار کرنے کے اور کچھ نہیں کیا جا سکتا۔

ضرور بضرور اگر ہم نے اپنے اس عمل پر نظر ثانی نہ کی تو یقیناً یہ ساری کوششیں نہ صرف ضائع ہو جائیں گی بلکہ ہمارا حال بھی عرب دنیا کے مسلمانوں جیسا ہوگا جو آج مغرب سے اس قدر متاثر ہیں کہ مرنے کو تو تیار ہیں لیکن اپنی معاشرت بدلنے کو تیار نہیں۔

جواد عبدالمتین ﴿۱﴾

تعلیم و تربیت

علماء کرام اور فتنۂ تصویر

بچپن سے اب تک ہم نے کئی بار دیکھا کہ جب کیلے کے چھلکے پر کسی کا پاؤں آتا ہے تو اس کا پورا جسم عدم توازن کا شکار ہو کر زمین پر ڈھیر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج کل جس کا بھی ہاتھ ڈیجیٹل کیمرے پر پڑ جائے اس کی ساری اخلاقی، مذہبی اور معاشرتی اقدار زمین پر ڈھیر ہو جاتی ہیں۔ گویا کیلے کا چھلکا تو انسان کے جسم کو زمین پر گرا دیتا ہے لیکن آج کل ڈیجیٹل کیمرے کے استعمال کا جنون دین دار لوگوں تک کی دینی اقدار کو زمین بوس کرنے کا باعث بن رہا ہے۔

عوام الناس جو دین کا زیادہ علم نہیں رکھتے یا اس مسئلے کی اہمیت سے واقف نہیں؟ ان سے تو ہمیں کوئی شکوہ بھی نہیں یہاں تو مسئلہ دینی حلقوں بلکہ اب تو کیمرہ بردار علماء کرام کا بھی بن گیا ہے۔ جنہوں نے مسجدوں کے محراب اور منبر کو یوٹیوب اور فیس بک کی لائیو نشریات کا اسٹوڈیو بنا دیا ہے۔

بڑے سے بڑے شیخ سے نسبت ہو، بڑی سے بڑی جامعات سے فراغت ہو یا علمی و تحقیقی کام میں مشغولیت ہو، بس جیسے ہی کیمرے کے استعمال کی جھجک ختم ہوئی تمام حدیں پار ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور کیلے کے چھلکے پر سے پھسلنے والے شخص کی طرح اپنا روحانی توازن کھو بیٹھتے ہیں۔

افسوس تو ان لوگوں پر ہے جو بزرگان دین سے محبت اور نسبت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں لیکن ان کی بات ماننے کو بھی تیار نہیں جیسے حضرت مولانا سلیم اللہؒ کے جاندار کی تصویر کے حوالے سے واضح اور سخت نقطۂ نظر کے باوجود ان کی تصویریں بنالی جاتی تھیں۔ اور یہ تصویریں بنانے والے کوئی اور نہیں ان سے محبت رکھنے والے ان کے عقیدت مند ہی تھے۔ یعنی شیخ سے

﴿۱﴾ اسلامک اکیڈمی آف کمیونیکیشن آرٹس، بیت الحکمۃ ایجوکیشن سسٹم

محبت بھی اور شیخ کی نافرمانی بھی۔

اسی طرح حضرت مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ کئی بار اپنی تصویر بنانے سے منع فرما چکے ہیں اور دارالعلوم کراچی سے تو دینی اجتماعات کی ویڈیو گرافی سے منع کرنے کے لیے فتویٰ بھی جاری ہوا ہے مگر افسوس کہ دارالعلوم کراچی کے ہی زیر اثر چلنے والے ادارے حرا فاؤنڈیشن کی تقریبات میں بھی حضرت شیخ کی تصویریں اور ویڈیوز اہتمام سے بنالی جاتی ہیں، جسے دیکھ کر لوگ یہی تاثر لیتے ہیں کہ یہ حضرت کی مرضی سے بنائی جارہی ہیں جبکہ وہ اپنی تصویریں بنانے پر کئی بار لوگوں کو ڈانٹ بھی چکے ہیں۔اب اگر حضرت کے قریب کے لوگ بھی حضرت کی بات نہیں مانیں گے تو پھر ہم کسی اور کو کیسے روک سکتے ہیں؟

ایسے ہی جامعہ زکریا الایمان کربوغہ شریف کے حضرت مفتی مختار الدین شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی طرف سے اسی بات کی ہدایت ہے کہ ویڈیو گرافی اور تصویر کشی نہ کی جائے بلکہ اس حوالے سے جامعہ میں تحریری تنبیہ بھی لکھی جاتی ہے۔حضرت مختار الدین شاہ صاحب کے بہت قریبی شاگرد مولانا عبداللہ (فرضی نام) نے تو یہاں تک بتایا کہ انہوں نے حضرت سے یہ بات خود سنی ہے کہ ''جو میری تصویر بنائے اس کے لیے میری بددعا ہے''۔اس کے باوجود عقیدت منداور خاص مریدین بھی اُن کی تصویر اور ویڈیو بنانے سے باز نہیں رہتے۔

اس کے علاوہ ویڈیو گرافی اور تصویر کشی کا ایک نیا طوفان اسلام کے نام پر بنے مغربی طرز کے ان سکولوں سے اٹھنا شروع ہوگیا ہے جو بعض بڑی دینی جامعات کے زیر سایہ چل رہے ہیں۔نہیں معلوم کہ اسلام کے نام پر بنے مغربی طرز کے ان سکولوں کے ذریعہ سے اُمت کو مزید احساس کمتری کا شکار کرنا مقصود ہے یا پھر دین کی خدمت کرنا۔اوپر سے سونے پر سہاگہ یہ کہ ویڈیو گرافی اور تصویر کشی کو یہ گویا نیکی کا کام سمجھ کر کرتے ہیں۔

عید سے کچھ دن پہلے کراچی کی ایک بڑی جامعہ کی مرکزی مسجد کے امام صاحب کے زیر سرپرستی چلنے والے سکول کی کارگزاری سامنے آئی جہاں تصویر کشی اور ویڈیو گرافی بلا کسی روک ٹوک کے جاری تھی۔ان کے فیس بک پیج پر مختلف تقریبات کی کئی ویڈیوز موجود ہیں جبکہ

اُس دینی جامعہ کے حضرات تصویر کے عدم جواز کے قائل ہیں اور اس حوالے سے کئی فتوے بھی جاری کر چکے ہیں، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ ان چند دینی جامعات میں سے ہے جو اب تک جاندار کی ڈیجیٹل تصویر کے عدم جواز پر مضبوطی سے قائم ہیں۔

پھر یہاں آخر میں پھر وہی بات عرض کرنی مناسب معلوم ہو رہی ہے کہ جیسے کیلے کے چھلکے پر پاؤں آنے سے انسان کا پورا وجود اپنا توازن قائم نہیں رکھ سکتا اور وہ زمین پر گر پڑتا ہے، اسی طرح آج تصویر کشی اور ویڈیو گرافی پر دیندار اور اہل علم حضرات کا ہاتھ کھلتے ہی تمام روحانی توازن بگڑ جاتے ہیں اور دور اندیشی کے برخلاف ظاہر پرستی پر دل مائل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اپنے پیر و مرشد اور شیخ کے بھی نافرمان ہو جاتے ہیں۔

اب جو یہ سمجھے کہ دینی حلقوں میں یہ تصویر کشی اور ویڈیو گرافی نیک نیتی پر مبنی ہے اس لیے شاید اس کے نتائج کچھ مختلف ہوں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نیک نیتی سے کوئی غلط کام کرنے سے اس کے نتائج درست نہیں ہو جاتے، اور اس فتنے کے برے نتائج تو تمام عرب دنیا کے مسلمان پہلے ہی بھگت رہے ہیں۔

تو اب اگر ہمیں یہ گمان ہے کہ ہم کوئی مختلف نتیجہ حاصل کریں گے تو پھر یقیناً ہمارے پاس اس گمان کی کوئی دلیل، کوئی جواز یا کوئی ثبوت ہونا چاہیے، جو کہ نہیں ہے۔

آج دین کی عمارت کو گرانے اور مسلمانوں میں دین سے دوری، اخلاقی پستی اور مغربی سوچ اور فکر کے عام ہونے اور نوجوان نسل کے دلوں میں دین کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کا بڑا ذریعہ یہی جاندار کی ڈیجیٹل تصویر اور ویڈیو ہے۔

اب جو مختلف ٹی وی چینلز کے پروگراموں اور ٹاک شوز کے ذریعے دین کی خدمت میں مصروف ہیں ان کو یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ الیکٹرانک میڈیا پر جس ویڈیو اور تصویر کی وجہ سے یہ سب برائیاں پھیل رہی ہیں اسی ویڈیو اور تصویر سے آپ کسی خیر کو پھیلانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

(بقیہ صفحہ نمبر: ۲۳)

تفہیم دین

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

اسلام کے اجتماعی نظاموں کی تدوینِ نو کا صحیح طریقِ کار — اجتماعی اجتہاد

ان ریٹائرڈ سول اور فوجی افسران سے معذرت کے ساتھ جو مختلف دینی خدمات میں مصروف ہیں

* یہ ۱۹۹۴ء کی بات ہے جب راقم بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں پڑھا رہا تھا کہ ایک دوست نے مجھے معروف ایٹمی سائنسدان سلطان بشیر محمود صاحب کے درس قرآن میں آنے کی دعوت دی۔ راقم نے چونکہ ان کی قومی خدمات اور ان کے متدین ہونے کے بارے میں کافی سن رکھا تھا اس لیے ان کے درس قرآن میں حاضر ہو گیا۔ مَیں درس شروع ہونے سے چند منٹ پہلے پہنچ گیا تو ان کے دفتر والوں نے ان کا لکھا ہوا ان کے دینی ادارے کا ایک تعارفی بروشر (دو ورقہ) مجھے دیا۔ مَیں اس میں ’قرآن الحکیم‘ کے الفاظ پڑھ کر سمجھ گیا کہ محترم سائنسدان صاحب اگرچہ بہت بڑے اور بہت نفیس، ذہین اور متدین آدمی ہیں لیکن ان کو اتنی عربی بھی نہیں آتی جتنی دینی مدرسہ کے ایک مبتدی طالب علم کو آتی ہے۔

* یہ مشاہدہ بھی عام ہے کہ ہمارے اکثر سول اور فوجی افسران خوب پڑھے لکھے اور ذہین ہوتے ہیں۔ عمر بھر کی سروس کے دوران انہیں دنیا، دنیاوی امور اور بعض شعبوں میں تخصص کا موقع بھی مل جاتا ہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد ان کے پاس اپنے آپ کو مصروف رکھنے کا کوئی سامان نہیں ہوتا۔ بعض لوگ پرائیویٹ سیکٹر میں دوبارہ ملازمت کر لیتے ہیں لیکن وہاں سے بھی بہر حال عمر کی وجہ سے کسی نہ کسی مرحلے پر انہیں دوبارہ ریٹائر ہونا پڑتا ہے اور پھر مصروفیت کی تلاش رہتی ہے۔

ان میں سے بعض لوگ متدین بھی ہوتے ہیں۔ قرآن وحدیث کا کچھ مطالعہ کرتے ہیں اور چونکہ وہ عمر بھر ’لیڈر‘ رہے ہوتے ہیں لہٰذا ہمیشہ معمولی ’طالب علم‘ رہنے یا دین پر عمل کرتے رہنے اور آخری عمر میں اللہ اللہ کرتے رہنے پر کفایت کرنے کی بجائے معلم، مقرر، مدرس، مبلغ، مفسر، فقیہ، صحافی، ادیب اور دانشور وغیرہ بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب دین بھی ایک شعبۂ علم ہے اور خصوصی تعلیم وتربیت اور مہارت کا محتاج ہے۔ ایک عام آدمی، خواہ وہ ذہین، محنتی اور

لائق ہی ہو،لیکن اس نے ساری عمر دوسرے کام کرتے ہوئے گزاری ہو تو وہ اس شخص کی طرح کیسے ہوسکتا ہے جس نے ساری زندگی دین سیکھنے سکھانے میں گزاری ہو؟ بعض لوگ انہیں ’’نیم حکیم خطرۂ جان اور نیم ملّا خطرۂ ایمان‘‘ بھی کہتے ہیں لیکن ہماری رائے میں بہرحال ان میں بعض صحیح الفکر افراد بھی موجود ہیں، جن کا مطالعہ وسیع ہے اور جن کی سرگرمیاں معاشرے کے لیے مفید اور تعمیری ہیں۔

مجھے یہاں ایک اور واقعہ یاد آ گیا۔ ایک دفعہ ایک صاحب نے مجھے سرونگ سی ایس افسران کے ٹریننگ پروگرام میں ’اسلامائزیشن آف پاکستان‘ کے موضوع پر لیکچر دینے کے لیے بلایا۔ میں نے اپنی گفتگو کے دوران کہیں یہ بھی کہہ دیا کہ پاکستان کی اسلامائزیشن کا عمل اجتہادی سپرٹ کا تقاضا کرتا ہے اور اسلام میں اجتہاد کی یہ اور یہ شرائط ہیں مثلاً قرآن وسنت، عربی زبان اور فقہ واصول فقہ میں مہارت وغیرہ۔ لیکچر کے بعد سوال وجواب کی نشست میں ایک صاحب نے سوال کیا کہ آپ نے عربی میں مہارت کو اجتہاد کی شرط قرار دیا ہے۔ کیا قرآن حکیم کا اردو میں ترجمہ پڑھ لینے سے کام نہیں چل سکتا؟ مَیں نے انہیں بات سمجھانے کے لیے مثال دیتے ہوئے کہا کہ فرض کیجیے ایک آدمی انگریزی لٹریچر میں پی ایچ ڈی کرنے برطانیہ جاتا ہے اور وہ شیکسپیئر کے ڈراموں پر ریسرچ کرنا چاہتا ہے لیکن ان کو اچھی انگریزی نہیں آتی تو کیا وہ پی ایچ ڈی کا حق ادا کرسکتا ہے؟ سب نے کہا ’’نہیں‘‘! اس پر مَیں نے کہا تو کیا اللہ کی کتاب ہی بیچاری اتنی مظلوم اور تختۂ مشق بننے کی مستحق ہے کہ کسی کو اس کی زبان نہ آتی ہو تو وہ اس پر تحقیق کرنے اور اس سے مسائل استنباط کرنے بیٹھ جائے؟ اس پر سب خاموش ہو گئے۔

مَیں نے مزید کہا کہ آپ پریشان نہ ہوں، مَیں آپ کے کنفیوژن کی وجہ سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ آپ ’صاحبِ اختیار‘ ہیں لیکن آپ کو عربی نہیں آتی اور جن کو عربی آتی ہے وہ دینی مدرسے کی چٹائیوں پر بیٹھے ہیں اور معاشرے اور ریاست میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ مَیں نے کہا یہ محض تاریخ کا جبر ہے ورنہ آپ لوگ ذہین اور محنتی ہیں۔ اگر آپ کو عربی سیکھنے کا موقع ملتا تو آپ عربی میں بھی اتنے ہی لائق ہوتے جتنے آج انگریزی میں ہیں۔

تو خلاصہ یہ کہ جو شخص قرآن وسنت، عربی زبان، فقہ واصول فقہ میں مہارت نہ رکھتا ہو اور عربی مآخذ سے براہ راست استفادہ نہ کرسکتا ہو اور اس نے ساری زندگی دوسرے مشاغل میں

گزاری ہو تو عقل و منطق کا تقاضا ہے کہ وہ خود کو دینی معاملات میں ’مجتہدانہ بصیرت‘ کا حامل سمجھتے ہوئے معاملات میں خود مختارانہ رائے قائم نہ کرے اور دینی امور میں قوم کو لیڈ کرنے کا نہ سوچے بلکہ جس صاحب علم یا صاحبانِ علم پر اس کو اعتماد ہو، اسے چاہیے کہ ان کی رائے پر عمل کرے۔

* دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمارے اکثر روایتی علماء کرام اگرچہ قرآن وسنت، عربی زبان اور فقہ و اصول فقہ کے ماہر ہوتے ہیں لیکن وہ عصری علوم، عصری حالات اور تقاضوں کا مکمل ادراک نہیں رکھتے۔ اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمارے کالجوں یونیورسٹیوں کے علوم اسلامیہ کے اکثر پروفیسر حضرات عربی زبان اور دینی علوم میں مطلوبہ مہارت نہیں رکھتے۔

* اس لیے ہماری تجویز یہ ہے کہ اسلام کے اجتماعی نظاموں کی تدوین و تشکیل نو کی جو تجویز راقم نے البرہان میں پیش کی ہے یعنی اسلام کے سیاسی نظام، معاشی نظام، تعلیمی نظام، عدالتی نظام وغیرہ کی موجودہ بدلے ہوئے حالات میں تدوین و تشکیلِ نو کی جائے، اس میں کسی ایک فرد کے علم و مہارت پر انحصار کیا جائے بلکہ اسے ’اجتماعی اجتہاد‘ کی شکل دی جائے اور اس میں تین طرح کے افراد ہوں:

۱۔ ایسے علماء کرام جو دینی علوم میں مہارت رکھتے ہوں اور ترجیحاً عصری علوم اور عصری حالات و تقاضوں سے بھی باخبر ہوں۔

۲۔ یونیورسٹیوں کے اسلامی علوم کے منتخب پروفیسر و سکالر حضرات جنہوں نے ترجیحاً مقامی دینی مدارس یا اسلامی ممالک کی دینی جامعات سے استفادہ کیا ہو۔

۳۔ متعلقہ شعبے کے متخصصین و ماہرین جو اگرچہ اسلامی علوم میں مہارت نہ رکھتے ہوں لیکن اپنے شعبے سے متعلق امور میں علماء کرام کی خوش دلی سے معاونت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اور علماء و سکالرز بھی خوش دلی سے ان کی خدمات سے استفادہ کی خواہش رکھتے ہوں اور ان کی آراء کو وزن دیں۔

* بعض لوگ اپنی لاعلمی اور سادہ لوحی کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کا سیاسی، معاشی، تعلیمی، عدالتی نظام موجود ہے اور ہمیں بس اسے ریاستی سطح پر نافذ کرنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے رحمۃً بالناس اور نہایت حکمت سے کام لیتے ہوئے ہمیں کوئی سیاسی، معاشی، تعلیمی، عدالتی نظام دیا ہی نہیں، محض پالیسی کے اصول دیے ہیں اور یہ کام امت کے مجتہدین (علماء وفقہاء) کا ہے کہ وہ ہر زمانے کی ضروریات کے مطابق ہر نظام کی تفصیلات طے کریں۔ اور ایسا کرتے ہوئے قرآن وسنت کے ساتھ اسلاف کے علمی وعملی کام کو بھی سامنے رکھیں۔

جہاں تک خلافت عثمانیہ کے آخری دور کی بات ہے تو اس وقت جو نظامات موجود تھے وہ ہر گز معیاری نہ تھے بلکہ اس نظام حکومت میں پچھلے دو تین سو سال سے سارے نظامات رو بہ زوال تھے اور اجتہاد وابتکار سے محروم تھے اور سلطنت عثمانیہ کو بجا طور پر 'یورپ کا مردِ بیمار' کہا جاتا تھا۔ خلافت عثمانیہ درحقیقت مسلم زوال کی علامت (Symbol) تھی۔ اس کی فکری وعملی پسماندگی کی وجہ سے ینگ ٹرکس (Young Turks) یعنی شبانِ تُرک نامی تنظیم وجود میں آئی تھی جو ان پسماندہ نظامات کی جگہ مغربی نظامات کو درآمد اور لاگو کرنا چاہتی تھی اور اسی نے خلافت کا خاتمہ کیا تھا۔

جہاں تک ان نظامات کے حوالے سے اسلاف کے علمی وعملی تجربات کا تعلق ہے تو وہ اپنی جگہ بہت قیمتی ہیں لیکن ہم بہر حال شرعاً اس کے مکلف نہیں کہ انہیں جوں کا توں نافذ کردیں اور نہ ان کا جوں کا توں نافذ کرنا مناسب ہے کیونکہ اجتہادی احکام کو تقدس حاصل نہیں ہوتا بلکہ وہ زمان ومکان کے بدلنے سے اور حالات کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں جیسا کہ علماء کرام جانتے ہیں کہ 'الحکم یدور مع العلۃ' اور مثلاً حضرت امام شافعیؒ نے مصر جانے کے بعد اپنے ان بہت سے اجتہادات پر نظر ثانی کر لی تھی جو آپ نے فلسطین میں کیے تھے۔

جولائی ۲۰۲۳ء کا وہ البرہان بھی سامنے رہے جس میں سری نگر سے تعلق رکھنے والے غلامی نبی کشافی نے ممتاز صحافی ضیاء شاہد کی کتاب ''باتیں سیاست دانوں کی'' کے حوالے سے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ جنرل ضیاء الحق اقتدار میں آنے کے بعد جماعت اسلامی کے وزراء سے بار بار پوچھتا رہا کہ مجھے اسلام کا سیاسی، معاشی، تعلیمی، عدالتی نظام دو تا کہ میں اسے نافذ کروں لیکن جماعت کے پاس ایسی کوئی چیز تیار تھی ہی نہیں (اور آج بھی نہیں)۔ لہٰذا یہ کام ابھی ہونے کا ہے اور جیسا کہ ہم نے سطورِ بالا میں کہا کہ بہتر یہ ہے کہ آج اس کے لیے اجتماعی اجتہاد

کا طریقہ اختیار کیا جائے جس کا ایک اعلیٰ نمونہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی مجلس علمی تھی جس کی وجہ سے ان کا مذہب ومسلک بہترین ثابت ہوا اور امت کی اکثریت نے اسے اختیار کرلیا بلکہ آج بھی کافی حد تک اختیار کیے ہوئے ہے۔

او آئی سی کا مجمع الفقہ الاسلامی اور پاکستان کی اسلامی نظریاتی کونسل اجتماعی اجتہاد ہی کی شکلیں ہیں اور اس طرح کی کسی نئی کوشش میں ان کے کام سے استفادہ کیے بغیر چارہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں علم وعمل کی توفیق سے نوازیں۔

* یہ سطور لکھنے کا خیال راقم کو 'اصحابِ حل وعقد' کے نام سے بننے والے واٹس ایپ گروپ میں 'تحریک عدل' کے سربراہ کمانڈر محمود اقبال صاحب کی وہ پوسٹ پڑھنے پر آیا جس میں انہوں نے آئی جی پولیس (ر) سعید راہی کے اسلام کے معاشی نظام پر لکھے گئے مقالے کو پڑھنے کی دعوت دی تھی اور راقم نے اسے ایک نظر دیکھا تھا۔ تاہم ہمارا مخاطب کوئی خاص فرد نہیں بلکہ ہم نے ایک عمومی بات کی ہے جس کے مظاہر ہمارے معاشرے میں عام ہیں۔

* یہاں یہ کہنا بھی شائد بے جا نہ ہو کہ اس تجزیہ وتنقید کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ راقم خود کو بڑا اعلامہ اور تیس مار خاں سمجھتا ہے اور دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ ہرگز ایسا نہیں بلکہ خدا شاہد ہے اور راقم اس کا اظہار پہلے بھی کرتا رہا ہے کہ وہ فقط دین کا ایک سنجیدہ طالب علم ہے اور اہل علم سے استفادہ کرتے رہنا اس کا منہج ہے۔ اس مضمون سے کسی کی تحقیر مقصود نہیں بلکہ دینی فائدے کی خاطر یہ چند سطور رقم ہوئیں۔ وآخر دعوانا ان الحمدللہ ربّ العٰلمین۔

ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

دے کے احساسِ زیاں تیرا لہُو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

تفہیم دین

ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری

مسلم سرمایہ دارانہ ریاستوں میں
اقامتِ دین کی تحریکوں کا لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے؟

[ترکی اور کراچی کے تجربات کی روشنی میں]

اقامت دین کی تحریکوں سے ہماری مراد 'تحفظ دین' کی تحریکیں بھی ہیں (جیسے تبلیغی جماعت) اور غلبۂ دین کی سیاسی تحریکیں بھی (جیسے جماعت اسلامی)

جن مسلم ممالک میں سامراج نے ایک سرمایہ دارانہ جمہوری واستبدادی نظام اقتدار قائم کیا اور قائم رکھا ہے ان کو ہم مسلم سرمایہ دارانہ ریاستیں کہتے ہیں۔ ان ممالک میں معاشرتی اور ریاستی عمل تضاداتی ہے۔ ریاست (یعنی دستوری نظام اقتدار) کلی طور پر سرمایہ دارانہ خطوط پر منظم اور کارفرما ہے۔ معاشرتی زندگی کی اقداری اساس سرمایہ دارانہ نہیں اور معاشرتی اقتدار کی ترتیب روایتی اور مذہبی ہے، دستوری نہیں۔ مسلم ممالک کی سرمایہ دارانہ ریاستیں اس روایتی اور مذہبی معاشرتی اقتدار کو منتشر کرنے یا اپنے اندر جذب کرنے کی جدوجہد کرنے پر مجبور رہتی ہیں۔

مسلم ممالک میں اقامت دین کی تحریکیں معاشرتی عمل کا ایک روایتی اظہار نہیں۔ ان ممالک کو ہم مسلم اس لیے کہتے ہیں کہ ان کی معاشرتی زندگی میں اقامت دین کی تحریکوں کا اقداری (سماجی نہیں) اثر غالب ہے۔ اس معاشرتی اقداری غلبہ کو محفوظ رکھنا اور فروغ دینا اقامت دین کی تحریکوں کے لیے ضروری ہے۔

مسلم ممالک کی اقامت دین کی تحریکیں دو حصوں میں منقسم ہیں۔ ان کی بہت بڑی اکثریت ان اجتماعیتوں کی ہے جو تحفظِ دین کا فریضہ انجام دے رہی ہیں۔ ان میں مصلحین، مبلغین اور صوفیاء کرام کی اجتماعیتیں شامل ہیں اور انہی کی مساعی جلیلہ کے نتیجہ میں عوام میں روایتی مذہبی اقدار کا تحکم مستحکم ہے۔ اس کے علاوہ غلبۂ دین کی تحریکیں بھی موجود ہیں جو سیاسی عمل کے ذریعہ اسلامی اقتدار کی توسیع کی کوشش کر رہی ہیں اور ان کی کوششوں میں کہیں کہیں اور کبھی کبھی نمایاں کامیابیاں بھی حاصل ہوتی رہتی ہیں، (الجزائر 1990ء، مصر 2012ء، ترکی

2017ء، 2023ء، پاکستان 2002ء) لیکن ان کامیابیوں کے حصول کے نتیجہ میں سرمایہ دارانہ ریاستی اقتدار منتشر نہیں ہوتا گو کہ اس کی معاشرتی گرفت کم از کم کچھ عرصہ کے لیے ضرور ڈھیلی پڑ جاتی ہے۔

اقامت دین کی تحریکوں کی ریاستی حکمت عملی

اقامت دین کی تحریکوں نے سرمایہ دارانہ دستوری جمہوری ریاستی تحکم کے ضمن میں دو مختلف رویے اور طرز عمل اختیار کیے ہیں۔ تحفظ دین کی تحریکیں دستوری نظم اقتدار (انتظامی، قانونی، اقتصادی) کو کلیتاً قبول کرتی ہیں لیکن انتخابی اور نمائندگی کے عمل سے لاتعلق رہتی ہیں۔ ان تحریکوں سے متاثر عوام کی بہت بڑی اکثریت بھی یہی رویہ اختیار کیے ہوئے ہے اور اسی وجہ سے قومی انتخابات میں شرح رائے دہی عموماً 50 فیصد سے کم رہتی ہے۔ یہ تحریکیں سرمایہ دارانہ جمہوری نظام اقتدار کے قیام، استحکام اور معاشرتی نفوذ کو اسلامی معاشرتی اقداری فروغ کے لیے کوئی خطرہ نہیں سمجھتیں اور یوں نادانستہ طور پر سماجی سیکولرائزیشن کی راہ ہموار کرتی ہیں اور عوام کو باور کراتی ہیں کہ سرمایہ دارانہ نظم کلی میں یہ گنجائش موجود ہے کہ نجی زندگی کو اسلامی اقدار کا مظہر بنایا جاتا رہے۔ یہی رویہ عیسائی اور یہودی قیادت نے سولھویں صدی کے بعد سے اختیار کیا ہوا ہے۔

اسلامی سیاسی جماعتوں نے سرمایہ دارانہ ریاستی نظام سے جو طریقہ اختیار کیا ہوا ہے اس کو دخول کی حکمت عملی کہا جا سکتا ہے۔ اس طرز کا پہلا اظہار Second Communist International کی United Front Policy میں 1930ء کی دہائی میں ہوا اور 1970ء کی دہائی میں Euro Communist پارٹیوں نے اسی تجربہ کو دہرایا۔ برصغیر میں جہادی تحریکوں کی پسپائی کے بعد جمعیت علمائے ہند نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا اور اس کی وجہ سے علمائے کرام اور مخلصین دین بالعموم مسلم لیگ اور کانگریس کے کارکن بن گئے۔

اس حکمت عملی کی تنفیذ کے نقصانات

اس حکمت عملی کو اپنا کر اقامت دین کی تحریکیں محدود فوائد تو یقیناً حاصل کر سکتی ہیں مثلاً تحفظ دین کی تحریکوں نے جو عدم مسابقت والا رویہ اختیار کیا ہے اس کے نتیجہ میں سرمایہ دارانہ

مقتدرہ میں ان تحریکوں کی معاشرتی پیش رفت کو برداشت کرنے کا رجحان فروغ پاتا ہے۔ سرمایہ دارانہ مقتدرہ میں ان تحریکوں کے ہم نوا بھی پیدا ہو جاتے ہیں اور کچھ سرمایہ مقتدرانہ حلقے (بالخصوص فوج اور سیاست دان) ان تحریکوں سے اشتراک عمل کو بھی فروغ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔سامراج نے عیسائیت کو اپنے آلہ کار کے طور پر مدتوں استعمال کیا ہے۔

لیکن ان محدود فائدوں کے حصول کے لیے ایک بڑی قیمت دینی پڑتی ہے۔سرمایہ دارانہ اقتداری نظام روایتی معاشرتی صف بندی کو بتدریج منتشر کرتا رہتا ہے۔ جرگہ، پنچائتیں، خانقاہیں، مدارس، معاشرتی اقتدار سے محروم ہوتے چلے جاتے ہیں ۔خاندانی اور قبائلی نظام تحلیل ہونے لگتا ہے۔سرمایہ دارانہ معیشت کی معاشرتی گرفت حلال رزق کمانے کے مواقع محدود سے محدود کر دیتی ہے۔خواتین عوامی زندگی (Public Life) کا حصہ بنتی چلی جاتی ہیں۔عوامی زندگی کا دائرہ وسیع اور نجی زندگی (Private Life) کا دائرہ سکڑتا چلا جاتا ہے اور عوامی زندگی میں مخلصین دین کی لاچاری، مجبوری اور بے بسی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ وہ سرمایہ دارانہ نظاماتی غلبہ کو برداشت ہی نہیں قبول بھی کرنے لگتا ہے۔

دخول کی حکمت عملی اختیار کرنے کے نقصانات اس سے بھی زیادہ ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ سرمایہ داری ایک عالمی نظام تغلب ہے جس میں مسلم دستوری جمہوری ریاستیں ماتحتانہ طور پر ضم ہیں۔ یہ دستوری جمہوری نظام مسلم ممالک پر مسلط ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ ان ممالک کی ریاستی اشرافیہ عالمی سرمایہ دارانہ نظام کی خدمت گزار بنی رہتی ہے۔اس نظام میں دخل اندازی کا مطلب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ اسلامی سیاسی جماعتیں اور ان کے کارکن عالمی سرمایہ کے مخلص وفادار خادم بنے رہیں۔وہ سرمایہ دارانہ اقدار (آزادی، مساوات اور ترقی) کو اپنی سیاسی جدوجہد کا مقصد گردانیں، دستور پر ایمان لے آئیں اور اپنی سرمایہ دارانہ نظاماتی فرمانبرداری کا مستقل ثبوت فراہم کرتے رہیں۔دخولی اسلامی سیاسی جماعتوں کے کارکن اپنی سرمایہ دارانہ باج گزاری پر فخر کرنے لگتے ہیں۔

سرمایہ دارانہ دخولی باج گزاری کی حالیہ مثالیں

AKP 2002ء سے آج تک ترکی کے قومی انتخابات جیت رہی ہے۔اس اسلامی

جماعت کا معاشرتی اثر نمایاں ہے گوکہ اس کے معاشرتی تفوق میں کمی آتی جا رہی ہے اور 2023ء کے انتخابات میں AKP شکست سے بال بال بچی ہے۔ اس معاشرتی اثر کو محفوظ رکھنے کے لیے AKP نے بڑی قیمت چکائی ہے۔ اس نے دستوری نظام کی سیکولر بنیادوں کو مِن وعَن قبول کرلیا ہے۔ ترکی میں سرمایہ دارانہ معاشی نظام قائم ہے۔ سود اور سٹہ کے کاروبار ہنوز ترقی کر رہے ہیں۔ ترکی نیٹو کا ممبر اور اسرائیل کا حربی حلیف ہے۔ ترکی میں مخلصین دین کی نجی زندگی کی اسلامیت سرمایہ دارانہ پبلک لائف میں ضم ہوتی چلی جا رہی ہے۔

دوسری مثال کراچی کے حالیہ بلدیاتی انتخاب کی ہے۔ 2021ء سے جماعت اسلامی "حق دو کراچی کو" کی مہم چلا رہی ہے اور بلدیاتی انتخابی مہم اس "حق دو کراچی کو" کی مہم کا تتمہ تھی۔ کراچی میں کون سے حقوق کے حصول کی جماعت اسلامی کوشاں تھی؟ سرمایہ دارانہ حقوق۔ جیسا کہ ایک مبصر نے لکھا "اس مہم کے دوران جماعت اسلامی نے ایم کیو ایم کے کپڑے چرا لیے" (اور اس کو جو کامیابیاں ہوئیں وہ ایم کیو ایم کے حلقوں میں ایم کیو ایم کے بائیکاٹ کے نتیجہ میں ہوئیں)۔ "حق دو کراچی کو" کی مہم میں جماعت اسلامی نے اسلام کو بالکل بالائے طاق رکھ دیا اور اپنے کارکنوں کو یقین دلایا کہ سرمایہ دارانہ حقوق کا حصول مقاصد شریعت کے حصول کا واحد ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی دوسری جماعت نے اس مہم میں جماعت اسلامی کا ساتھ نہ دیا اور علمائے کرام اور صوفیہ عظام اس سے بالکل لاتعلق رہے۔ آخر میں جماعت اسلامی کے سیکولر ایجنڈا کی تائید سیکولر تحریک انصاف ہی نے کی اور مہم کے سربراہ حافظ نعیم الرحمٰن عمران خان کی خدمت میں حاضر ہو کر اس سے آشیرباد حاصل کرکے سرخرو ہو گئے۔

کراچی جماعت کو سیکولرائز کرنے میں یہ مہم کلیدی کردار ادا کرے گی بالخصوص اگر ریاستی سرمایہ دارانہ عدلیہ سے جو توقعات جماعت کی قیادت نے باندھی ہوئی ہیں وہ پوری ہوتی نظر آئیں۔

متبادل اسلامی انقلابی حکمت عملی

اس میں شک نہیں کہ سرمایہ دارانہ نظاماتی گرفت ہمہ گیر ہے اور اس نظاماتی گرفت کو ڈھیلا کرنے کے لیے معاشرتی عمل کو ریاستی عمل سے مربوط کرنا لازمی ہے۔ مسلم دستوری جمہوری ریاستوں میں ریاستی عمل سے لاتعلقی اختیار کرنا اس حقیقت سے چشم پوشی ہے کہ سرمایہ

دارانہ نظاماتی تغلب ہمہ گیر ہے اور اس تغلبی گرفت کو ڈھیلا کرنے کے لیے ریاستی عمل میں مداخلت ناگزیر ہے۔ لیکن اس مداخلت کا مقصد نظام اقتدار میں شرکت اور اس کے متبادل کی تخلیق ہونا چاہیے۔ یہ ریاست میں ریاست قائم اور کارفرما کرنے کی حکمت عملی ہے جس کی ایک مثال سرکار دو عالم ﷺ کی مکی دور کی زندگی سے ملتی ہے جب آپ ﷺ نے ندوہ (قبائلی حکومتی ادارہ) کا بائیکاٹ کیا۔ رائج شدہ قوانین کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور مسلمانوں کی معاشرتی سیاسی اجتماعیت قائم کی۔ تاریخ میں انقلابی جدوجہد کی ابتدا اکثر ریاست اندرون ریاست کی جدوجہد سے ہوتی ہے۔ ایران میں 1905ء تا 1979ء اور افغانستان میں 2002ء تا 2021ء کے دوران یہی ہوا۔

مسلم دستوری جمہوری ممالک میں اقامت دین کی تحریکوں کی ایک بنیادی کمزوری یہ ہے کہ ان کے متاثرین کے حلقے معاشرتی قوت نافذہ سے محروم ہوتے ہیں۔ ان کا دائرہ عمل عموماً دینی تعلیمات اور احکام شرع کی تبلیغ اور تفہیم تک محدود رہتا ہے۔ ریاستی جمہوری عمل مخلصین دین کو معاشرتی قوت نافذہ سے محروم کرتا رہتا ہے۔ وہ احکامات دینیہ کی تنفیذ کے لیے جمہوری دستوری نظام میں گنجائش تلاش کرنے پر مجبور رہتے ہیں اور اس کے بنیادی نظاماتی اصل الاصول کو چیلنج نہیں کر پاتے۔

سرمایہ دارانہ جمہوری نظاماتی اصل الاصول یہ ہے کہ تمام فیصلے نفس امارہ کے احکام کی اجماعی تفہیم کے تابع ہوں۔ یہی روسو کا General Will (ارادہ عمومی) ہے اور نفس امارہ کے احکامات کی تابع داری سرمایہ کی نظاماتی حاکمیت کا دوسرا نام ہے۔ نفس امارہ کی فرمانبرداری کو نظاماتی اصل الاصول کے طور پر قبول کر کے خدا کا بندہ سرمایہ کا بندہ بن جاتا ہے۔ یوں اقامت دین کی تحریکیں سرمایہ دارانہ نظام زندگی میں ضم ہوتی چلی جاتی ہیں۔

سرمایہ کی بندگی سے نجات پانے کے لیے ضروری ہے کہ مسلم جمہوری ممالک کے مخلصین دین کی معاشرتی قوت نافذہ قائم اور مستحکم کی جائے۔ مخلصین دین کی معاشرتی قوت نافذہ کو منظم کرنا اور فروغ دینا اقامت دین کی تمام تحریکوں کی بھی ضرورت ہے۔ تحفظ دین کی تحریکوں کی بھی اور غلبہ دین کی تحریکوں بھی۔ جب تک ہم احکام دینیہ کو معاشرتی سطح پر نافذ نہیں کر لیتے ہماری تعلیمی، تبلیغی اور سیاسی جدوجہد بے اثر اور ناقابل عمل رہے گی۔ انفرادی اصلاح کا اثر

معاشرتی اور ریاستی تسخیر کی صورت میں ظاہر نہیں ہوگا اور معاشرہ اور ریاست سرمایہ دارانہ قالب میں جکڑا رہے گا۔

مخلصین دین کو معاشرتی سطح پر بااختیار اور بااقتدار بنانا ایک طویل المدت عمل ہے (ایران میں اس میں تقریباً 75 سال لگے)۔ اس کام کو جاری رکھنے کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات ضروری ہیں:

۱۔ تحفظ دین اور غلبہ دین کی تحریکوں میں اتحادِ فکر و عمل: تمام تحریکوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ مخلصین دین کو بااقتدار بنائے بغیر سرمایہ دارانہ نظاماتی تغلب سے نجات حاصل نہیں کی جاسکتی۔

۲۔ ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے کروڑوں مخلصین دین کو مسجد، محلہ، برادری اور بازار کی سطح پر بین المسالک تنظیموں کے ذریعہ منظم کرنا۔

۳۔ محلہ کی سطح پر مساجد کو مخلصین دین کی معاشرتی قوت کے اظہار کا مرکز بنانا۔ مساجد کا شہری اور علاقائی اتحاد لوکل گورنمنٹ کا متبادل سرچشمہ قوت کے طور پر کارفرما کیا جائے اور عوامی مسائل کے حل کے لیے مساجد کے دائرہ اختیار کی توسیع۔ ائمہ مساجد کو مقامی سطح پر عوام کے واحد جائز اور مقبول عام رہنما کے طور پر متعارف کرایا جائے۔

۴۔ ملک بھر میں پھیلے ہوئے اس بین المسالک نظام کے معاشرتی اقتدار میں توسیع کے لیے سیاسی جدوجہد۔ یہی اسلامی ریاستی جدوجہد کا واحد مقصد ہو اور ہمارے ریاستی نمائندگان صرف اسی مقصد کے لیے جدوجہد کریں۔

۵۔ بازار کی سطح پر حلال کاروبار کا فروغ: ایک غیر سودی اور غرر کے بغیر نظامِ تمویل کی ترتیب و تنظیم جو عالمی اور ملکی سود اور سٹہ کی مارکیٹوں کے لیے ملکی معیشت کے روابط منہدم کرنے کا ذریعہ بنے۔

اقامت دین کی تحریکوں کی یہ طویل المدت جدوجہد مسلم جمہوری دستوری ممالک میں اسلامی انقلاب کی راہ ہموار کرے گی۔ یہ مسلم عوام کو نفس امارہ کی بندگی اور عالمی سرمایہ کی غلامی سے نجات دلانے کے لیے لازمی ہے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اسلام اور پاکستان مولانا عبدالرؤف فاروقی[1]

متجددین اور قادیانیت

ڈاکٹر عمار ناصر صاحب اور ان کے ہمنواؤں کی توجہ کے لیے

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی متفقہ قرارداد قومی اسمبلی سے ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو منظور ہوئی۔ اس کے نتیجہ میں آئینی ترمیم کے ذریعہ آئین پاکستان میں ان کی حیثیت متعین کردی گئی۔ ۲۶/اپریل ۱۹۸۴ء کو امتناع قادیانیت آرڈیننس منظور ہوا، اب یہ قانون ہے۔ قادیانیوں نے اس کے خلاف اعلیٰ عدالتوں سے رجوع کیا اور دلائل دیئے۔ انہیں اپنا مؤقف اور دلائل پیش کرنے کا پورا موقع فراہم کیا گیا لیکن وہ اپنا مؤقف ثابت کرنے اور عدالتوں کو مطمئن کرنے میں ناکام رہے۔ اس قانون کے مطابق انہیں اسلامی اصطلاحات اور شعائر کو استعمال اور اختیار کرنے سے روک دیا گیا۔ جزوی طور پر اس قانون پر عمل ہوتا رہا حالانکہ پوری طرح عمل پہلے دن سے ہونا چاہیے تھا۔

حال ہی میں جناب ڈاکٹر عمار ناصر کی طرف سے آواز بلند ہوئی کہ اگر وہ اس قانون کی خلاف ورزی اپنی چار دیواری میں کرتے ہیں تو اسے قابلِ دست اندازیٔ پولیس قرار دے کر انہیں روکنا اور ان پر مقدمات قائم کرنا ان کے بنیادی انسانی حقوق اور شخصی آزادی کے خلاف ہے، اور ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ پھر اس آواز کی تائید میں بھی کچھ آوازیں بلند ہوئیں۔ فضاء میں ارتعاش ہے اور مذہبی حلقوں میں متضاد آراء کا اظہار کیا جارہا ہے۔ میرا منصب اور علمی مقام یہ ہرگز نہیں کہ فقہی وقانونی پہلوؤں پر تجزیہ پیش کروں تاہم ایک دو سوال اور ایک تجویز پیش کرنے کی جسارت کررہا ہوں۔

۱۔ کیا ملکی قوانین کی خلاف ورزی چار دیواری کے اندر اور اپنے گھر میں اس طرح کرنا کہ باہر کسی کو اس کی خبر نہ ہو، صرف اس قانونِ امتناعِ قادیانیت سے متعلق ہوگا جس کے سلسلہ میں یہ متجدد، دانشور اور انسانی ہمدردی کے نام پر ہر طرح کے طبقوں میں قابلِ قبول اور معتبر قرار پانے کے مرض میں مبتلا حضرات آواز بلند فرما رہے ہیں یا تمام ملکی قوانین کے لیے یہی فارمولا

---

[1] سیکرٹری جنرل، جمعیت علماء اسلام (س)

ہوگا کہ اگر کوئی شخص، گروہ یا طبقہ بند کمرے میں، چار دیواری کے اندر، اپنے گھر میں منشیات فروشی، جعلی کرنسی کا کاروبار، شراب نوشی، زنا کاری اور ناچ گانے، رقص وسرود کی محفل کا اس طرح راز داری کے ساتھ اہتمام کرے کہ باہر گلی میں حتیٰ کہ پڑوسیوں تک اس کی آواز نہ جائے اور کسی کے آرام میں کوئی خلل واقع نہ ہوتا ہوتو کیا انہیں بھی اس کا حق ہوگا اور یہ امر ان کے بنیادی انسانی حقوق اور شخصی آزادی کے زمرے میں آئے گا؟

۲۔ اس قانون کو بنے اب چالیس سال ہونے کو ہیں۔ اب آکر قادیانیوں نے خود عدالتوں سے ایک دفعہ پھر رجوع کرنے، اس قانون کو شخصی آزادی اور بنیادی انسانی حقوق کے خلاف ہونے کا رونا روکر اس کو ختم کرنے کی آواز بلند کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے یا ہمارے ان متجدد دانشوروں کو ان سے ہمدردی کا درد ازخود محسوس ہوا ہے۔ یا پھر قادیانیوں نے ان حضرات کو ہر آئین شکن گروہ کا ہمدرد اور سہولت کار سمجھتے ہوئے ان سے رابطہ کیا ہے اور کسی قیمت پر انہیں آمادہ کرلیا ہے کہ یہ آواز بلند کی جائے اور اس کے لیے سوشل میڈیا پر پتھر پھینک کر پُرسکون فضاء میں ارتعاش پیدا کرنے کی حکمت عملی طے ہوئی ہے؟

میری تجویز یہ ہے کہ اگر واقعی ان حضرات کو قادیانیوں سے ہمدردی ہے تو اس طرح مذہبی فضاء کو گدلا کرنے کی بجائے انہیں مشورہ دیں کہ:

i۔ آئین پاکستان میں دی گئی اپنی حیثیت کو تسلیم کریں اور آئین سے بغاوت کا ارتکاب چھوڑ دیں۔

ii۔ باہم مشاورت سے اپنے مذہب کا کوئی نام تجویز کریں اور اس کی اصطلاحات کا خاکہ تیار کریں جس طرح مصور پاکستان ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے متحدہ ہندوستان کے دور میں اس کا مطالبہ کیا تھا۔ اور پنڈت جواہر لال نہرو کے ساتھ اُن کی خط کتابت اس کی شاہد ہے۔ اسی طرح اپنی مذہبی رسومات کے لیے ایام اور ان کے لیے عنوان، اسلام اور مسلمانوں کی عبادات اور ایام سے مختلف ہوں گے تو کوئی ان میں نہ مداخلت کرے گا نہ رکاوٹ ڈالے گا۔ جس طرح آئین میں باقی اقلیتوں، ہندو، سکھ، بدھ، عیسائی، پارسی وغیرہ کے لیے ان کی مذہبی آزادیوں کو تحفظ دیا گیا ہے، قادیانیوں کو بھی تحفظ حاصل ہوگا اور اس طرح کی تمام تکلیفوں کا ازالہ ہوجائے گا۔ امید ہے ان سوالات اور اس تجویز پر ملک، قوم اور فرقہ وارانہ رواداری کے وسیع تر مفاد میں غور کیا جائے گا۔

اسلام اور پاکستان　　مولانا محمد سہیل

تبلیغی جماعت کے بعض لوگوں کی جدوجہد کا نیا پہلو

پوری زندگی میں مکمل دین کا احیاء

۱۔ بڑوں کی معاشی زندگی کے لیے

اسلامی طریقۂ تجارت، اسلامی طریقۂ ملازمت، اسلامی طریقۂ زراعت، اسلامی طریقۂ علاج معالجہ برائے تاجر حضرات، برائے ملازمت پیشہ احباب، برائے زراعت پیشہ احباب، برائے ڈاکٹر و اطباء حضرات۔

فائدہ: مذکورہ بالا نصاب مسلمان کی معاشی زندگی کے لیے ہیں، ان نصابوں میں سے اپنے متعلقہ ایک نصاب ہر مسلمان علماء کرام سے سیکھ کر اور عمل کر کے اپنے معاش کے شعبہ میں دین زندہ کرے۔

۲۔ بڑوں کی ذاتی و معاشرتی (گھریلو) زندگی کے لیے

اسلامی طریقۂ معاشرت، اسلامی طریقۂ تعلیم و تربیت، اسلامی عقائد و عبادات، اسلامی طریقۂ اجتماعی امور و خدمت۔ ہر مسلمان کے لیے۔

قابل توجہ: معاش کے نصاب کا علم حاصل کرنے کے بعد علماء کرام کے ذریعے معاشرت اور گھریلو زندگی سے متعلق چاروں نصابوں کے علم سے ہر مسلمان آراستہ ہو کر اپنی انفرادی و ذاتی زندگی میں دین کو زندہ کرنے کی کوشش کرے بلکہ ان نصابوں کو مَردوں کے علاوہ مستورات بھی سیکھیں۔ جب مسلمان انفرادی دین کو زندہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو اجتماعی دین کو زندہ کرنے کی توفیق بھی دے گا اور اس سے ان شاء اللہ مسلمان کی زندگی کا سارا دین زندہ ہوگا اور اس کی مکمل زندگی دین والی بنے گی۔

طریقۂ کار: مرد حضرات کے لیے تو مسجد میں جماعت بنے، ایک ذمہ دار اور دو معاون

ذمہ دار طے ہوں، پڑھنے کا وقت طے ہو اور پڑھانے کے لیے ایک عالم بطور استاد طے ہو جائے۔ جن احباب کی سبق میں حاضری ۸۰ فیصد ہو، اختتام پر ان کو سند بھی دے دی جائے۔ اور مستورات قرب میں واقع کسی مدرسہ البنات میں یا اپنے ہاں کسی عالمہ سے سیکھنے کا نظم بنالیں تو وہ دین سیکھ کر عمل کرنے والی بن سکیں گی۔

۳۔معاشرے کی خدمت ونفع رسانی کے کام

مندرجہ ذیل امور کی انجام دہی:

۱۔ ذاتی خدمت اور اپنی ذات سے متعلقہ امور

۲۔ گھریلو خدمت اور گھر سے متعلقہ امور

۳۔ بستی یا محلے کی خدمت اور اس سے متعلقہ امور

۴۔ شہر یا قصبہ کی خدمت اور اس سے متعلقہ امور

۵۔ پورے ملک کی خدمت اور اس سے متعلقہ امور

۶۔ عالم اسلام کی خدمت اور اس سے متعلقہ امور

۷۔ ساری دنیا کی خدمت اور اس سے متعلقہ امور

یہ چونتیس خدمتیں ہیں، جن کا احیاء کر کے اپنے محلے یا بستی کے تمام مسائل کو حل کر کے کامیاب وترقی یافتہ محلہ بنانے کی کوشش ہو۔

۴۔شریعت کے مطابق فیصلے

شریعت کے مطابق تحکیم یا فیصلہ کرنا یا کرانا انتہائی ضروری ہے۔ ایسا نہ کرنے کی صورت میں شدید نقصان کا اندیشہ ہے۔ خلافِ شرع فیصلہ مسلمان کو نہیں کرانا چاہیے۔ اس لیے اس کی بھی فکر ہو۔

بچوں کی معاشی فنی تعلیم کے لیے نصاب

واقفیت عامہ: اسلامی تاریخ، اسلامی معاشیات، ورزش۔ اسلامی ریاضی: اردو، فلکیات،

تربیتی نصاب۔ تحقیق کائنات (سائنس): خوشخطی، جغرافیہ، صحابہ کے بچوں کے واقعات۔

یہ کل آٹھ سالہ نصاب ہے۔ جس کی بچہ فنی مدرسہ میں پانچ سال کی عمر میں تعلیم کی ابتداء کر کے تیرہ سال کی عمر میں ابتدائی تعلیم کی تکمیل کرلے گا اور اپنے دین اور اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ تعلیم وتربیت حاصل کر کے معاشرے کا انتہائی ہونہار اور لائق و فائق اور صالح و باکردار مسلمان بن کر ان شاء اللہ معاشرے میں اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والا بنے گا۔

اس کے لیے ہر جگہ فنی مدرسے کھولے جائیں اور اپنے بچوں کو ان نصابات کی تعلیم دلائی جائے تو ان شاء اللہ ہمارے بچے نہ صرف غیروں کی معاشرت اور طرز زندگی سے محفوظ ہوں گے بلکہ وہ دوسروں کے لیے نمونہ اور انسانیت کے لیے رہبر و رہنما بھی ثابت ہوں گے۔

الحمدللہ! یہ نصابات ملک کے ۳۰، ۳۵ بڑے مدارس میں اکابر کی خدمت میں بالمشافہ پیش کیے گئے اور ان سے ان کے بارے میں اصلاح وتوثیق اور رہنمائی و سرپرستی حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔

اسٹاکسٹ

الصفہ ریسرچ اینڈ ایجوکیشنل ٹرسٹ، کمرہ نمبر: ۳، ۳۰/ اسلام بلاک، اعظم گارڈن، ملتان روڈ، لاہور ۵۴۷۹۰۔ پاکستان۔ ای میل:shora@assuffatrust.com

آن لائن سٹور:www.assuffatrust.com

دیگر پتے: لاہور، الصفہ ریسرچ اینڈ ایجوکیشنل ٹرسٹ:0321-1843540

پشاور: ڈاکٹر خالد محمود صاحب،0300-8595919

راولپنڈی: مکتبۃ النور بالمقابل تبلیغی مرکز،0311-8823187

گوجرانوالہ: ادارۃ النعمان زیڈ بلاک، پیپلز کالونی،0333-8127107

نوٹ: بذریعہ وی پی منگوانے کے لیے الصفہ ٹرسٹ کا فون نمبر استعمال فرمائیں۔

اسلام اور پاکستان　　　پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

سود کے خلاف جماعت اسلامی کی جدوجہد

اس جدوجہد کے نتائج کیا ہیں؟
کیا اس جدوجہد کی حکمت عملی اور منہج پر نظر ثانی کی ضرورت نہیں؟

* ۱۳ جولائی ۲۰۲۳ء کو جماعت اسلامی نے علماء کرام، ماہرین معیشت، صحافیوں، دانشوروں وغیرہ کی ایک اور وسیع مجلس لاہور میں منعقد کی اور مسئلہ سود پر ہونے والی پیش رفت کا جائزہ لیا اور آئندہ کے لیے پلاننگ پر غور کیا۔

* جماعت اسلامی (تنظیم اسلامی، تحریک انسدادِ سود اور بعض دیگر علماء و دانشور حضرات بھی) تقریباً پچھلے چالیس سال سے عدالتوں میں سود کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں۔ یہ جدوجہد مبارک ہے اور جو لوگ اس میں جان و مال سے 'جہاد' کر رہے ہیں وہ مستحق تحسین وتبریک ہیں کیونکہ ایک مسلم مملکت میں سود لینا دینا ایک ایسا جرم ہے جس کی قباحت کے بار ے میں کوئی دوسری رائے نہیں ہوسکتی کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم میں سود کھانے والوں کے خلاف اللہ و رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ کیا ہے اور جو بدنصیب اللہ و رسول کے خلاف جنگ کریں ان کی شناعت اور ان کی ناکامی اور اس مردود جنگ کے قبیح نتائج کا ادراک ہر مسلمان بخوبی کرسکتا ہے۔

* یہ بات بھی صحیح ہے کہ ہم بحیثیت مسلمان صحیح رُخ میں جدوجہد ہی کے مکلف ہیں اور اس کے نتائج اللہ تعالیٰ کے بس میں ہیں، ہم انسانوں کے بس میں نہیں۔ پس جس نے اپنی دینی ذمہ داری ادا کرنے کی کوشش کی وہ کامیاب و بامراد ہے خواہ اس جدوجہد کا نتیجہ کچھ بھی نکلے۔

* تاہم جس چیز کے ہم مکلف ہیں وہ تدبیر اور حکمت عملی ہے جو منصوص نہیں ہوتی بلکہ ہم مسلمانوں کی اپنی بنائی ہوئی ہوتی ہے اور ایک حکمت عملی کو مناسب یا مؤثر نہ پا کر اسے تبدیل کیا جاسکتا ہے اور دوسری حکمت عملی اختیار کی جاسکتی ہے۔

جماعت اسلامی نے قیام پاکستان کے فوراً بعد یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ اسے سیاسی جدوجہد اور

'اسلامی جمہوریت' کے ذریعے پاکستان میں اقامت دین اور غلبۂ دین کا کام کرنا ہے۔ اس کے لیے وہ شروع سے آئین کے اسلامی ہونے اور قوانین کے اسلامی ہونے کے لیے جدوجہد کرتی آرہی ہے اور اس میں اسے کچھ کامیابیاں بھی ملی ہیں۔ آئین میں کئی اسلامی دفعات موجود ہیں اور بہت سے قوانین 'اسلامی' بن چکے ہیں (اگرچہ اس میں دوسری دینی جماعتوں اور افراد کا بھی کردار ہے)۔

* سود ہی کے مسئلے کو لیجیے۔ جماعت تقریباً پچھلے ۴۰ سال سے سودی قوانین کو تبدیل کرا کر انہیں مطابق اسلام بنانا چاہتی ہے لیکن ابھی تک اسے کامیابی نہیں ملی۔ کیونکہ حکمران (بلکہ حکمران طبقے بشمول بیوروکریسی، عدلیہ، فوج، مقننہ، سیکولر سیاسی جماعتیں وغیرہ) ایسا نہیں چاہتے۔ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ سپریم کورٹ سود کے خلاف فیصلہ کر دیتی ہے اور حکومت اس کے مطابق قوانین بھی بنا دیتی ہے لیکن ان پر عمل نہیں کرتی تو اس طویل جدوجہد کا حاصل کیا ہے؟ دیکھیے:

* بہت سے اسلامی قوانین بن چکے ہیں لیکن حکومت (حکومتی طبقے) ان پر عمل نہیں کرتے مثلاً:

۱۔ حدود آرڈی ننس ۱۹۷۹ء سے نافذ ہیں لیکن آج تک ایک چور کا ہاتھ نہیں کٹا، ایک زانی کو کوڑے نہیں لگے۔

۲۔ انفرادی امتناع سود کا قانون موجود ہے، اس پر عمل نہیں ہو رہا۔

۳۔ زکوٰۃ وعشر کا قانون موجود ہے، اس پر مؤثر طریقے سے عمل نہیں ہوتا۔

۴۔ احترام رمضان کا قانون موجود ہے، اس پر عمل نہیں ہوتا۔

یہ مشتے نمونہ از خروارے ہے۔

* آئین پاکستان کی مثال لے لیجیے:

- آئین کہتا ہے کہ ریاست مسلمانوں کو قرآن وسنت پر عمل کے قابل بنائے گی جب کہ عمل اس کے خلاف ہو رہا ہے۔

- آئین کہتا ہے کہ پاکستان میں کوئی قانون غیر اسلامی نہیں بنے گا جبکہ غیر اسلامی قوانین بن رہے ہیں۔

۔ آئین کہتا ہے کہ قومی زبان اردو ہوگی لیکن اس پر عمل نہیں ہو رہا اور انگریزی کو ہر جگہ بالادستی حاصل ہے۔

۔ آئین کہتا ہے کہ قرآن اور عربی کی تعلیم کو عام کیا جائے گا اور غیر اسلامی رسوم ورواج کا قلع قمع کیا جائے گا۔اس پر عمل نہیں ہو رہا۔ یہ چند مثالیں ہیں حصر مقصود نہیں۔

ہمیں یاد ہے جب جنرل ضیاء الحق نے ۱۹۷۹ء میں حدود کے نفاذ کا اعلان کیا تھا تو لوگ مٹھائی کے ڈبے لے کر مولانا مودودیؒ کے پاس مبارکباد دینے پہنچ گئے تھے کہ ملک میں اسلام نافذ ہوگیا ہے اور عملاً حالت یہ ہے کہ یہ قانون بنے ۴۴ سال ہوگئے ہیں اور ایک بھی حد نافذ نہیں ہوئی اور جماعت اسلامی نافذ نہیں کرا سکی تو نفاذِ شریعت بذریعہ اسلامی قانون سازی کی حکمت عملی کا حاصل کیا ہے؟ اور اس کا فائدہ کیا ہے؟

٭ اس بات کو ایک اور پہلو سے دیکھیے: جماعت اسلامی اور اس کے کارکن ہمیشہ حکومتوں سے مطالبہ کرتے رہے ہیں کہ نظام تعلیم کو اسلامی بناؤ لیکن حکومت نے اس ضمن میں کوئی اقدامات نہیں کیے۔ پھر حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ پرائیویٹ سیکٹر کو شعبۂ تعلیم میں کام کی اجازت مل گئی۔ اب جماعت اسلامی کے کارکنوں کے پاس کئی یونیورسٹیاں ہیں، بیسیوں کالج ہیں اور ہزاروں سکول ہیں لیکن کسی میں اسلامی تقاضوں پر عمل نہیں ہوتا (الا ماشاءاللہ)۔ یہ ادارے اسلامی تعلیم وتربیت اور دعوت واصلاح کے مراکز بن سکتے تھے اور یہاں سے اسلامی انقلاب کے سوتے پھوٹ سکتے تھے لیکن یہ ادارے نفع اندوزی، مادہ پرستی اور مغربی فکروتہذیب کے فروغ کے مراکز بن کر رہ گئے ہیں۔

٭ اس گفتگو کا حاصل کیا ہے؟

۔ اقامت دین وغلبۂ دین بذریعہ سیاسی جدوجہد، اسلامی جمہوریت واسلامی قانون سازی کی حکمت عملی ناکام ثابت ہوئی ہے۔

۔ تعلیم وتزکیہ اور دعوت واصلاح ﴿يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ﴾ کا منصوص راستہ چھوڑ دینے کی وجہ سے جماعت نے عوام کو دین کے کیا قریب لانا تھا خود اس کے کارکن مغرب کی الحادی فکروتہذیب اور مادہ پرستی کے سیلاب میں بہہ گئے ہیں۔ لہٰذا اس کی

طرف مراجعت ناگزیر ہے۔

* یہ جماعت پر تنقید نہیں۔ نہ اس پر ناراض ہونے اور غصہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ہماری درخواست صرف اتنی ہے کہ دین کے وسیع تر مفاد میں جماعت اپنی حکمت عملی پر نظر ثانی کرے کیونکہ اس کی غلبۂ دین کی موجودہ حکمت عملی کامیاب ثابت نہیں ہوئی۔ ویسے بھی مولانا مودودیؒ نے جب ۱۹۴۸ء میں اقامت دین بذریعہ سیاسی جدوجہد (اور 'اسلامی جمہوریت') کا اعلان کیا تھا تو اس وقت یہ بھی کہا تھا کہ اگر اس طریقے سے ہمیں مقصد حاصل نہ ہوا تو ہم واپس دعوت وتبلیغ، تعلیم وتربیت اور اصلاحِ فرد و معاشرہ کے منہج کی طرف لوٹ جائیں گے لہٰذا ہم جو بات کہہ رہے ہیں وہ مولانا مودودی ہی کی بات کی تائید ہے لہٰذا جماعت کو اسے اپنانے میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہیے۔ وآخر دعوانا ان الحمدللہ ربّ العٰلمین۔

بقیہ: افغان طالبان۔آزادئ نسواں، تعلیم اور ترقی کے چیلنجز

افغانستان میں صدیوں سے میٹرنٹی ہوم کے بغیر عورت گھروں پر سات آٹھ بچوں کو جنم دیتی ہے۔ اس قدیم نظام کو بہتر کرنے اور برقرار رکھنے کی ضرورت ہے نہ کہ مغرب سے میٹرنٹی ہوم درآمد کرنے کی ضرورت ۔ بچہ پیدا کرنا ایک فطری عمل ہے جو صدیوں سے انسان، ڈائینوسار، ہاتھی، زرافہ، گھوڑے اپنے بچے خود پیدا کرتے ہیں۔ مغرب نے اس فطری عمل کو بیماری قرار دیا اور اربوں روپے کا کاروبار شروع کر کے نفع کمایا۔ برطانیہ نے ہندوستان میں میٹرنٹی ہوم قائم کرنے کے لیے دائیوں کے خلاف مہم چلائی، انہیں ڈریکولا بنا کر پیش کیا گیا، ان کے خلاف اشتہار نکالے جس میں ان کو چڑیل بنا کر دکھایا گیا تھا۔ حالانکہ دائی کا معاشرتی ادارہ صدیوں سے بالکل ٹھیک طریقے سے کام کر رہا ہے۔ اسے میٹرنٹی ہوم اور ہسپتال کے ذریعے ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔ غریب اقوام ان جدید اداروں کا بوجھ نہیں اٹھا سکتیں لہٰذا وہ اپنے قدیم نظام کو مضبوط رکھیں عورتوں کو طب یونان کے آسان طریقوں سے آگاہ کریں، روایتی طریقۂ علاج کو ترجیح دیں روایتی طریقے میں غذا دوا بھی ہے۔ مغربی طب نے Food Medicine Dichotomy پیدا کی اور اس سے اپنا کاروبار چلایا۔ (جاری ہے)

اسلام اور مغرب

ڈاکٹر قیصر علی [۱]

دولت کی حرص میں بلادِ کفار میں رہائش خلافِ اسلام ہے [۲]

آج بڑی تیزی سے اہل اسلام یورپ اور مسیحی ممالک کی طرف ہجرت کر رہے ہیں۔ پہلے بھی کرتے رہے ہیں؛ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ بنیاد مضبوط نہ ہونے کی وجہ سے ان کی نسلیں ان کے ہاتھوں سے نکل رہی ہیں اور کنبے کا کنبہ مرتد ہوتا چلا جا رہا ہے۔ معروف مصری عالم شیخ علی الطنطاویؒ کی پوتی مومنہ العظام کی اس سلسلے میں ایک چشم کشا، فکر انگیز اور دل و دماغ کو جھنجھوڑ دینے والی ایک رپورٹ سامنے آئی ہے جس میں وہ کہتی ہیں:

''میرے دادا شیخ طنطاویؒ نامور عالم و فاضل ہونے کے ساتھ بڑے روشن دماغ اور مستقبل شناس تھے۔ دادا کی عالمی شہرت کی وجہ سے ہمارے پاس یورپ جانے کے بہت سے مواقع تھے، آسانی سے ویزے مل سکتے تھے؛ لیکن وہ ہمیں ہمیشہ دیارِ غیر میں جانے سے روکتے تھے۔ مجھے بڑا غصہ آتا تھا کہ یہ کیا دقیانوسیت ہے، سارے لوگ ہجرت [۳] کر رہے ہیں، زندگی کی آسائشوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں؛ مگر ہمارے مذہبی خاندان نے عجیب قسم کی پابندی ہمارے اوپر لگا رکھی ہے۔

لیکن جب میں بڑی ہوئی، یورپ کے دورے کیے اور بہت سارے مہاجر خاندانوں سے ملاقات کا اتفاق ہوا تو دادا جان کے لیے دل سے دعائیں نکلیں اور ان کی دور اندیشی کو سلام کرنا پڑا؛ کیوں کہ ان کا خدشہ صد فی صد حقیقت ثابت ہوا۔ ان کا کہنا تھا کہ ''کفر کی زمینوں پر رہنا اور کافرانہ ملکوں میں بود و باش اختیار کرنا پیش آمدہ نسلوں کے ایمان وعقیدہ کے

---

[۱] پروفیسر یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، پشاور

[۲] یہ عنوان ہمارا اختیار کردہ ہے۔

[۳] محترمہ نے دنیاوی دولت اور سہولتوں کے لیے بلاد کفر کے سفر اور رہائش کو ''ہجرت'' کہا ہے جب کہ ہمارے نزدیک یہ ہرگز شرعی ہجرت نہیں ہے کیونکہ اس منتقلی کے پیش نظر نہ اعلاء کلمۃ اللہ ہے اور نہ شریعت کے دیگر مقاصد بلکہ یہ دین و آخرت کی قیمت پر دنیاوی بہتری کے لیے بلاد کفار کو منتقلی ہے جس کا مذموم ہونا ظاہر ہے۔ مدیر

لیے بڑا خطرہ ہے۔ ہوسکتا ہے آپ اپنے بچوں کے ایمان کو بچالیں لیکن ان کے بعد کیا ہوگا؟ اور پھران کے پوتوں کے پوتوں پر کیا بیتے گی؟اس کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتا۔''

بہت سے مذہبی لوگ یہ دعوے کرتے ہیں کہ الحمدللہ ہمارا گھرانہ بڑا کٹر دینی ہے، کہیں جائے اور کسی زمین پر رہے فرق نہیں پڑتا۔مگرنہیں صاحب! ایسا نہیں ہے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ فرق پڑتا ہے اور بہت فرق پڑتا ہے۔

مومنہ العظام کہتی ہیں کہ ایک دہائی قبل مجھے مہاجر خاندانوں خصوصا مشہور بیروتی مذہبی ''رمضان خاندان'' کی تحقیقات پر ماموکیا گیا۔ جب میں نے ریسرچ شروع کی، ان کے شجرات کھنگالے اور دنیا جہان میں پھیلے اس خاندان کے افراد کا جائزہ لیا تو تقریباً ۵۰۰۰ لوگوں کا سراغ ملا۔لیکن ان کی نسلوں کی مذہبی تباہی کی داستان بڑی دلخراش اور جگرشگاف تھی۔ پھر انھوں نے یورپ ہجرت کرجانے والے خاندانوں کا ایک گوشوارہ تیار کرتے ہوئے یہ انکشاف کیا کہ:

- ۱۰۰ سال قبل ہجرت کرجانے والوں کی پشتوں میں تقریباً ۹۶ فیصد غیر مسلم ہو چکے ہیں۔
- ۸۰ سال قبل ہجرت کرجانے والوں کی پشتوں میں تقریباً ۷۵ فیصد مرتد ہو چکے ہیں۔
- ۶۰ سال قبل ہجرت کرجانے والوں کی پشتوں میں تقریباً ۴۰ فیصد عیسائی ونصرانی بن چکے ہیں۔
- ۴۰ سال قبل ہجرت کرجانے والوں کی پشتوں میں تقریباً ۲۵ فیصد اسلام چھوڑ چکے ہیں۔

تقریباً اَسّی سال قبل ایک مشہور شیخ نے جنوبی امریکہ کے ملک 'ایکواڈور' کی طرف ہجرت کی اور وہاں سب سے پہلی مسجد کی بنیاد رکھی۔انہوں نے گھر کا ماحول مذہبی رکھا اور بچوں کو سختی سے دینی تعلیم بھی دی لیکن آج بدقسمتی سے ان کے پوتوں میں کوئی بھی مسلم نہیں۔ ایسا ہی کچھ معاملہ بیشتر مہاجر خاندانوں کے ساتھ ہے۔

دور کہاں جانا، ہم لوگ تقریباً چالیس سال سے امریکہ میں مقیم اور یہاں کے شہری ہیں، اور خود میرے دادا شیخ علی الطنطاویؒ کے پوتے پوتیوں میں ۱۶ غیر مسلم ہو چکے ہیں۔

ایکواڈور میں رمضان خاندان کے ۹۸ لوگ آباد ہیں۔ ان کے آباواجداد ۱۹۲۳ء میں

ہجرت کر کے یہاں پہنچے تھے۔ آج وہ سارے کے سارے عیسائی بن چکے ہیں جن میں سے میں نے جورج، کرسچین، اور امیلیو رمضان سے ملاقات بھی کی۔ ان کو میں نے ان کا تابناک خاندانی پس منظر بتایا اور ہر طرح سے مدد کرنے کی کوشش بھی کی کہ کسی طرح گھر واپسی کر لیں لیکن کوئی بھی رضامند نہ ہوا۔

یہ رپورٹ میں نے کئی سال قبل پڑھی تھی، اور پڑھ کر بڑا دکھ ہوا تھا کہ دنیا میں کیسے کیسے حادثات وواقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ پھر ذہن سے بات نکل گئی تھی۔ ابھی چند روز قبل قنوج میں منعقد احیاے تصوف کانفرنس کے لیے جانا ہوا تو وہاں ایک شیخ سے ملاقات ہوئی اور باتوں ہی بات میں انھوں نے حیدر آباد کے ایک معروف عالم کہ جن کی لکھی کتاب آج بھی درسِ نظامی کی ابتدائی جماعت میں پڑھائی جاتی ہے، کے بچوں کے امریکہ ہجرت کر جانے کا ایک دلخراش واقعہ سنایا تو برسوں قبل پڑھی ہوئی مذکورہ رپورٹ کا نقشہ ذہن میں گھوم گیا۔

شیخ صاحب نے بتایا کہ مولانا کے دو بچے ایک زمانے سے امریکہ میں رہتے تھے، وہیں کے شہری بن گئے، وہیں ان کی اولادیں بھی ہوئیں، گھر سے انھوں نے کوئی تعلق نہیں رکھا۔ مدتوں بعد ابھی حال ہی میں جب انھیں اپنی مٹی کی یاد آئی تو ان میں سے ایک ہندستان گھومنے آیا۔ اس نے جب اپنے امریکی خاندان کی روداد سنائی تو سامعین پر سکتہ طاری ہو گیا کہ اس کے اپنے دو بیٹے دائرۂ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں۔ ایک عیسائی بن گیا ہے اور دوسرا لادین (ایتھیسٹ)۔ آج وہ بہت پچھتا رہا تھا لیکن اب پچھتاوے کیا ہووت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت!

واقعی اولاد کی تربیت اور ان کے قدموں کو دین پر جمائے رکھنا سب سے مشکل، صبر آزما اور اہم ترین کام ہے۔ مگر کیا کیجیے کہ ہمیں جب اپنے دین وایمان کی فکر نہیں تو اپنی اولاد اور اولادوں کی اولاد کے ایمان وعقیدے کی فکر کیا ہوگی؟ جب کہ اپنی اولادوں کے ایمان وعقیدہ کے بارے میں فکرمند ہونا اور انھیں بہترین دینی واسلامی ماحول فراہم کر کے جانا یہ انبیاے کرام کی سنت ہے۔

اللہ جل مجدہ ہمارے حالِ زار پر رحم فرمائیں اور ایمان وعقیدہ صحیحہ کی روشنی ہماری نسلوں

میں باقی رکھے۔آمین یارب العالمین۔

البرہان

ہم کہتے ہیں تجارت، سفارت، تبلیغ اور سائنسی وفنی تعلیم کے لیے کچھ مدت کے لیے بلادِ کفار جانا جائز ہے لیکن صرف ایسے لوگوں کے لیے جن کا ایمان پختہ ہو اور جن کا وہاں کی الحادی تہذیب میں تحلیل ہونے کا امکان نہ ہو۔لیکن دولت کی حرص میں، زیادہ پیسوں کی تمنا میں، اعلیٰ معیارِ زندگی اور سہولتوں اور آسائشوں والی زندگی کے لیے بلادِ کفار جانا شرعاً کوئی وزن نہیں رکھتا۔ہم کہتے ہیں کہ تعلیم کے لیے اپنے نوخیز اور کچے ذہن کے بچوں کو وہاں اکیلے بھجوانا بھی ان کے ایمان کے لیے خطرناک اور شرعاً مخدوش ہے۔

سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس نہ مادی وسائل کی کمی ہے اور نہ افرادی وسائل کی تو ہم اعلیٰ تعلیم کے لیے اور دولت کمانے کے لیے بلادِ کفار کیوں جائیں؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ امریکہ ویورپ میں بعض بہترین مسلم دماغ کام کررہے ہیں اور مسلم معاشرے ان کی خدمات سے محروم ہیں۔ برین ڈرین (Brain Drain) اور کس کو کہتے ہیں؟ مسلمان حکمرانوں کو چاہیے کہ اللّے تللّوں سے باز آجائیں اور اپنے بہترین دماغوں کو بیرون ملک نہ جانے دیں بلکہ جو جاچکے ہیں انہیں واپس لائیں، ان کی قدر کریں، انہیں اعلیٰ مشاہرے دیں۔وہ بھی اپنے وطن کی اور اپنی امت کی قدر کریں اور مقابلتاً کم تنخواہ بھی اپنے وطن میں قبول کریں اور اپنے مسلمان بھائیوں کی خدمت کریں اور ان کی خاطر ایثار کریں۔

مومنہ العظام کی تحقیق یہ بتارہی ہے کہ ایک نسل میں تو دین کے اثرات باقی رہتے ہیں لیکن آئندہ آنے والی نسلیں اسلام سے محروم ہوتی چلی جاتی ہیں۔لہٰذا اس دولت کا کیا فائدہ کہ ہماری آئندہ نسلیں دین اسلام جیسی نعمت سے محروم ہوجائیں۔

ہم علماء کرام سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس صورتِ حال کا نوٹس لیں اور دولت کی حرص میں بلادِ کفر جانے والوں کے خلاف شرعی فتویٰ جاری کریں۔

[فاضل قارئین میں سے اگر کوئی صاحب اس موضوع پر لکھیں تو ہم اسے خوش آمدید کہیں گے۔مدیر]

اسلام اور مغرب

پروفیسر ڈاکٹر تحسین فراقی [۱]

ایڈورڈ سعید اور اس کی کتاب 'Orientalism'

اس نے استعمار کے اصل مقاصد کو طشت از بام کر دیا

سعید نے بتایا کہ ''موبی ڈک'' کے پیچھے بنیادی تصور سفید رنگ کی برتری ہے

اس کے خیال میں مغرب کی روح آج بھی رنگ اور نسل کی اسیر ہے

ایڈورڈ سعید کو مَیں بیسویں صدی کا بہت بڑا آدمی سمجھتا ہوں۔ اس نے بیان کیا ہے کہ استعماری قوتوں نے کس طرح محکوموں پر تسلط حاصل کیا اور پھر ان کا خون چوسا۔ میرا خیال ہے کہ ایڈورڈ سعید کی جو سب سے بنیادی کتاب ہے وہ 'اورینٹل ازم' ہے۔ اس کے بعد جو اس کی کتابیں ہیں انہیں اورینٹل ازم کی توسیع قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس شخص نے استشراق کے صحیح خدوخال کو، جو بہت بھیانک خدوخال ہیں، نمایاں کیا۔ سعید نے اپنے مضمون میں، جس کا مَیں نے ''تعریفوں کا تصادم'' کے نام سے ترجمہ کیا ہے، بیان کیا ہے کہ امریکا کا مؤقف یہ ہے کہ وہ جو بھی جنگیں لڑتا ہے وہ پوری نوع انسانی کے لیے ہیں۔ ایڈورڈ سعید امریکہ کی اس منافقت کا پردہ چاک کرتا ہے۔ پوری نوع انسانی کے لیے سعید کی جو سب سے بڑی کنٹری بیوشن ہے وہ یہ ہے کہ اس نے استعمار کے اصل مقاصد کو طشت از بام کر دیا اور کسی جذباتی انداز میں نہیں۔ ایڈورڈ سعید جذباتی انداز میں چیزوں کو بیان نہیں کرتے۔ ایڈورڈ سعید کا کمال ہی یہ ہے کہ وہ خالص علمی، تعقلاتی اور استدلال سے چیزوں کو بیان کرتے ہیں۔ اپنی کتاب میں انہوں نے اوری اینٹل ازم کی پوری تاریخ کو کھنگال ڈالا ہے۔ ایڈورڈ سعید نے بعض کتابوں کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ مغرب کی روح آج بھی بدقسمتی سے رنگ اور نسل کی اسیر ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ ہرمن میلول کا ناول ''موبی ڈک'' جو ہے اس کے پیچھے بنیادی تصور سفید رنگ کی برتری ہے۔ اسی طرح اپنی نظم The White Man's Burden میں کپلنگ کہتا ہے کہ ہم نے تو اپنے کاندھوں پر بہت بوجھ لیا ہوا ہے۔ ہم اپنے آرام دہ گھروں کو چھوڑتے ہیں۔ دوسرے ملکوں میں جاتے ہیں، تکلیفیں اٹھاتے ہیں اور ان قوموں کو مہذب بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ ایسے لوگوں کو اپنی ایک لائن میں آدھے شیطان اور آدھے بچے قرار دیتا ہے۔ نظم کی

---

[۱] معروف ادیب، شاعر، نقاد اور استاد

اس لائن میں اس کی پوری خباثت بند ہے۔مراد یہ ہے کہ ان کے اندر بچپنا ہے، وہ اپنی میچورٹی کونہیں پہنچے۔آدھے شیطان ہیں۔مراد یہ ہے کہ غیر شائستہ اور اجڈ ہیں۔ جب میں یہ پڑھتا ہوں تو مجھے یگانہ کا شعر یاد آجاتا ہے ؎

ہنس کے کہتا ہے کہ گھر اپنا قفس کو سمجھو سبق الٹا مرا صیاد پڑھاتا ہے مجھے

ایڈوڈ سعید نے یہ بتایا کہ عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ یونان وہ مرکز ہے جہاں سے مغربی تہذیب کے سوتے پھوٹے ہیں۔ہم مشرق والے بھی یہی کہتے ہیں کہ ہاں جناب فلسفہ تو وہ ہے جو ہمیں یونانیوں نے سکھایا ہے۔ ایڈورڈ سعید نے مارٹن برنال کی کتاب *Black Athena* کو بنیاد بنا کر یہ ثابت کیا ہے کہ دنیا کو معلوم ہونا چاہیے کہ یونان افریقہ کی کالونی رہا، خاص طور پر مصر کی کالونی رہا ہے۔نتیجہ یہ ہے کہ اولاً فلسفے کی نمود جو ہے وہ یونان میں نہیں اسکندریہ میں ہوئی ہے اور اسکندریہ مصر میں ہے۔اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ یونان کی نفی کرنا مقصود ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ ایسا بھی نہیں کہ فلسفے کا سب سے بڑا Origin یونان ہے۔

تیسری بات جو اس کی بڑی اہم ہے اس کو وہ اپنے مضمون ''تعریفوں کا تصادم'' میں اور اپنی کتاب ''کورنگ اسلام''(Covering Islam) میں یوں بیان کرتا ہے کہ مغرب اپنے ذرائع ابلاغ سے دنیا کو ایک تاثر دے رہا ہے اور اس بات کا آرزومند ہے کہ دنیا اس تاثر کو اسی طرح قبول کرے جس طرح وہ تاثر دے رہا ہے۔ تاثر یہ ہے کہ مسلمان جو ہے بہت سی شادیاں کرتا ہے، بنیاد پرست ہے، متعصب ہے، کلچر کا دشمن ہوتا ہے، جاہل ہوتا ہے۔سعید اس کے جواب میں کہتا ہے کہ اگر ایک طبقہ ایسا ہے تو اس طبقے کی خصوصیات جو مسلمانوں کے پچاس سے زیادہ ممالک ہیں ان سب پر لاگو کرنے کا تصور ہی غلط ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بدقسمتی سے مغرب کے دانشور جب اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ ہوم ورک نہیں کرتے۔خاص طور پر میڈیا سے متعلق جو لوگ ہیں وہ ان زبانوں کو ایسے نہیں سیکھتے جیسا سیکھنے کا حق ہے اس کلچر کا۔اسی طرح مطالعہ نہیں کرتے جیسا اس کلچر کو دیکھنے کا حق ہے۔اپنے سطحی مطالعے کی بنیاد پر وہ ایسے نتائج پیش کرتے ہیں جو اتنے ہی سطحی ہوتے ہیں جتنا ان کا مطالعہ ہوتا ہے۔نتیجہ یہ ہے کہ وہ کوئی ایسی تصویر پیش نہیں کرتے جو سنجیدہ اور گہرے مطالعے کی دین ہو۔تیسری بات وہ یہ کہتا ہے کہ ایک ثنویت ہے جو ان مغربی دانشوروں نے پیدا کر رکھی ہے۔ایڈورڈ سعید ''ہم'' اور ''وہ'' کی

ثنویت کے بارے میں بات کرتا ہے۔ یعنی مغرب کہتا ہے ہم بڑے ہیں، اہل علم، روشن خیال، سیکولر، سیکولر لبرل یا لبرل سیکولر، جمہوریت پسند ہیں اور جو مشرق والے ہیں ان کو نہ تہذیب چھو کر گئی ہے اور نہ ہی انہیں کچھ پتا ہے۔ اس سوچ سے سعید اتفاق نہیں کرتا۔

ہٹنگٹن کہتا ہے کہ آئندہ جو تصادم ہوں گے وہ نہ معاشی ہوں گے نہ سماجی ہوں گے وہ نظریاتی ہوں گے اور نتیجہ یہ ہے کہ اس نے اسلام کی ایک ایسی غلط تصویر کھینچ دی ہے اور بتانا یہ چاہا ہے کہ وہ زمانے کا ساتھ نہیں دے سکتا اور نوع انسانی کی بقا اور بہتری اب اگر کسی نظام تمدن میں ہے تو وہ مغربی نظام ہے۔ ایڈ ورڈ سعید اس کے بہت خلاف تھا۔ وہ گلوبلائزیشن کے بھی بہت خلاف تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ جو یک قطبی نظام ہے یہ انسانی فطرت کے بھی خلاف ہے۔ انسانی فطرت میں رنگا رنگی ہے۔ مختلف تہذیبیں ہیں۔ ان کے ثقافتی مظاہر ہیں۔ ثقافتوں اور مختلف تہذیبوں کی جو رنگا رنگی ہے کیا آپ کو اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ آپ اس پر یک قطبی نظام مسلط کر دیں اور اگر آپ مسلط کریں گے تو کیا یہ ایک جمہوری نقطۂ نظر ہوگا؟ یہ تو خالصتاً آمرانہ نقطۂ نظر ہے۔ آمریت کسی بھی شکل میں ہو، وہ بری ہے۔ وہ نوع انسانی کے امکانات کو دباتی اور ان کا گلا گھونٹتی ہے، ان کو پنپنے نہیں دیتی۔ اس لیے ایڈ ورڈ سعید ملٹی کلچرازم کا حامی ہے اور کہتا ہے کہ ہر کلچر جس جگہ ہے اس کا احترام کرو۔

بقیہ: البرہان کے نام

یہ تو شکر ہے کہ مفتی تقی عثمانی صاحب نے خالد جامعی صاحب کے تجویز کردہ مغربی تہذیب کی تفہیم کے کورس کو مدارس میں پڑھانے پر آمادگی ظاہر کر دی اور یقیناً یہ ان کی ایک بڑی Achievement ہے۔ اپنے ''معتوب'' مفتی تقی عثمانی صاحب سے تو جامعی صاحب نے مغربی تفہیم کا کورس منظور کروالیا، اب ہم اس انتظار میں ہیں کہ اس کو وہ اپنی ''ممدوح'' جماعت سے کب منواتے ہیں۔ کس کے گھر جائے گا سیلابِ بلا میرے بعد

ہمارا موقف یہ ہے کہ جس طرح تبلیغی جماعت کی دعوتی لگن اور عام افراد کو دین سے جوڑ دینے کے وسیع پیمانے پر جاری کام کی قدر نہ کرنا غیر مناسب رویّہ ہے، اسی طرح ان سے ایسی توقعات وابستہ کرنا اور کروانا بھی کوئی دینی خدمت نہیں جس کے نہ وہ خود دعویدار ہیں اور نہ ان کا مزاج ہے۔

عالم اسلام

سید خالد جامعی

افغان طالبان ۔ آزادیٔ نسواں، تعلیم اور ترقی کے چیلنجز

افغانیوں کو شرح صدر کے ساتھ روایتی افغان معاشرے کے استحکام کے لیے ڈٹ جانا چاہیے اور آزادیٔ نسواں، تعلیم اور ترقی کے مغربی ماڈل کو ردّ کر دینا چاہیے

اہم نکات

* شریعت نے طے کر دیا ہے کہ عورت کا اصل مقام اور اس کا دائرۂ کار گھر ہے۔ وہ مرد کے شانہ بشانہ اداروں میں کام کرنے کے لیے پیدا نہیں کی گئی۔ مغرب سے یہ بات کہنے میں کیا رکاوٹ ہے؟ کیا مغرب کے کہنے پر ہم نص بدل دیں؟ اسلامی تحریکیں عورت کے بارے میں دفاعی ہو گئی ہیں۔ وہ مغرب سے کہہ دیں کہ ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ کے حکم میں اجتہاد نہیں ہو سکتا۔

* طالبان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے سائنس پر دنیا بھر کا ایمان بالغیب ختم کر دیا۔ انہوں نے مسلم علماء کے اس فلسفے کو بھی باطل قرار دیا کہ سائنس کا مقابلہ سائنس سے اور ٹیکنالوجی کا مقابلہ ٹیکنالوجی سے کیا جا سکتا ہے۔ اصل قوت ایمان کی ہے جس کے سامنے سائنس و ٹیکنالوجی کی کوئی حیثیت نہیں۔ طالبان نے دنیا کی تین بڑی سائنسی قوتوں برطانیہ، روس اور امریکہ کو شکست دی۔

* طالبان خدانخواستہ حکومت نہ چلا سکے تو بھی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ امریکہ کو شکست دینا اتنا بڑا کام ہے کہ اس کے سامنے دیگر کام ہیچ ہیں۔ طالبان نے عالم اسلام کی اسلامی تحریکوں، مسلم مفکرین اور علماء کو یہ ثابت کر کے دکھا دیا کہ سائنس کا مقابلہ سائنس سے اور ٹیکنالوجی کا مقابلہ صرف ٹیکنالوجی نہیں بلکہ صرف ایمان سے بھی ممکن ہے۔

* ہیومن رائٹس چارٹر کے تحت کوئی بھی شخص کسی مذہبی کتاب، مذہبی شخصیت کی توہین کر سکتا ہے یہ اس کا بنیادی حق ہے جو چارٹر نے دیا ہے۔ علماء اس چارٹر کو باطل قرار دیں۔ جو لوگ چارٹر کو خطبہ حجۃ الوداع کا عکس کہتے ہیں وہ چارٹر کی حقیقت سے ناواقف ہیں اور سادہ لوح

ہیں۔ اصل فتنہ یہ چارٹر ہی ہے۔ دنیا میں صرف طالبان ہی ہیں جو UNO اور امریکہ سے کہہ سکتے ہیں کہ اس کافرانہ چارٹر کو ہم نہیں مانتے۔ اس کی علمیت اسلامی علمیت کی دشمن ہے اور انہیں یہی کہنا چاہیے۔

* اوباما نے UNO میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ توہین رسالت کے مسئلے کا حل توڑ پھوڑ، احتجاج نہیں بلکہ اس کا حل یہ ہے کہ توہین رسالت کی اور آزادی دو اور آزادی دو.... آزادی ایک عالمی قدر ہے ہم اس کا تحفظ کریں گے۔ اس تقریر کے بعد اردگان، محمد مرسی، احمدی نژاد نے تقاریر کیں لیکن کسی نے نہیں کہا کہ اگر آزادی کا یہ مطلب ہے تو ہم ایسی آزادی کو نہیں مانتے۔

* ہیومن رائٹس چارٹر کو خطبہ حجۃ الوداع سے ثابت کرنے والے پہلے فیڈرلسٹ پیپرز (Fedralist Papers) پڑھ لیں جن سے یہ چارٹر بنا۔ حجۃ الوداع میں جو انسان مخاطب ہیں وہ مسلمان ہیں اور صحابہ کرامؓ ہیں۔ اگر تمام انسان برابر تھے تو سورۃ التوبہ کیوں نازل ہوئی اور مشرکین کے قتال کا حکم کیوں آیا؟

* مغرب کا افغانستان سے مطالبہ ہے کہ وہ عورت مرد کو Mass Education مہیا کرے۔ اس عمل کے نتیجے میں Mass Migration ہوگی۔ پوری دنیا کا یہی تجربہ ہے۔ لوگ اپنے گاؤں، گوٹھ، آبائی علاقے چھوڑ کر اپنی جڑ بنیاد سے الگ ہو جائیں گے۔ سرمایہ دارانہ نظام یہی چاہتا ہے کہ لوگ روایتی اجتماعیتوں سے نکل کر انفرادیت پسندی اختیار کریں لہٰذا سرمایہ داری انسانی معاشروں کے لیے تین کارنامے انجام دیتی ہے:

Alienation, Dispossesion, Displacement

پوری دنیا کا تجربہ یہی ہے۔

* گائی ایٹن نے اپنی کتاب ''*King of the Castle*'' میں لکھا ہے کہ انیسویں صدی کے آغاز تک امریکہ کے ۹۹ فیصد لوگ اپنے کام کرتے تھے مگر انیسویں صدی کے اختتام پر اکثر لوگ ریاست، کارپوریشن، کمپنیوں میں ملازمت کرنے لگے یعنی ان کے آزاد کاروبار ختم ہو گئے اور وہ سرمایہ دارانہ نظام ریاست اور حکومت کے ملازم بن گئے۔ کیا طالبان یہی چاہیں گے؟

* عورت مرد کو ایک جیسی تعلیم دینے کا مطلب یہ ہے کہ عورت کو مرد کی طرح نوکری بھی دو۔ جب یہ عورت مارکیٹ جائے گی تو بچے ڈے کیئر سینٹر میں اور بوڑھے اولڈ ہوم میں جائیں گے۔ نوکری کا مطلب مخلوط معاشرت ہے جس کا لازمی نتیجہ زنا کاری کے مواقع کی کثرت ہے۔

* کیا عورتوں کو جدید تعلیم نہ دینے پر طالبان میں اتفاق نہیں ہوسکا؟ جدید تعلیم ہر عورت کا ہی نہیں ہر مرد کا بھی حق نہیں۔ اس کا تعلق صنعتی معاشرے سے ہے۔ معاشرہ صنعتی نہ ہو تو یہ تعلیم بے کار ہے اور بے روزگاری پیدا کرے گی۔ افغانستان جدید تعلیم دے کر کیا بے روزگاروں کی فوج پیدا کرنے کا خطرہ مول لے گا؟

* امت کی پندرہ سو سالہ تاریخ میں عورت کو جتنی جس قدر تعلیم دی گئی ہے وہ دین و دنیا میں کامیابی کے لیے کافی ہے۔ اس میں کچھ اضافہ کیا جا سکتا ہے لیکن عورتوں کو مرد جیسی تعلیم دینے کا مطلب ہے عورت کو مرد کو بنانا جس کے نتیجے میں خاندان کا خاتمہ ہو جائے گا۔

* دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں، مذہبی اور دعوتی جماعتوں کے قائم کردہ سکولوں میں لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک ہی طرح کا مغربی نصاب پڑھایا جاتا ہے جب کہ شریعت کے مطابق عورت اور مرد کا دائرہ کار ہی مختلف ہے جب عورت کا دائرۂ کار، ذمہ داریاں، مزاج، طبیعت، طینت، عقلیت، جذبات، احساسات، اشیاء کو دیکھنے کا طریقہ سب کچھ مرد سے مختلف ہے تو عورتوں کو عورتوں کی تعلیم کیوں نہیں دی جا رہی؟ کیا ہم مغرب کے مقلد ہیں اور عورت کو مرد کے برابر لانا چاہتے ہیں؟ لڑکیوں کو چائلڈ سائیکالوجی پڑھائی جاسکتی ہے، بچوں کی پرورش اور بوڑھوں کی نگہداشت کے طریقے سکھائے جاسکتے ہیں، گھر بیٹھے ہنرمندی کے کام بھی انہیں بتائے جاسکتے ہیں۔ روایتی طب سے بہت سے اسباق سکھائے جاسکتے ہیں لیکن ہم نے کبھی توجہ ہی نہیں دی کہ ہم لڑکیوں کو لڑکوں جیسی تعلیم دے کر اربوں روپے کیوں ضائع کر رہے ہیں؟ ہمیں یقین ہے طالبان درست فیصلہ کریں گے۔

* فیڈرلسٹ پیپرز لکھنے والے چوبیس گورے مردوں میں سے کوئی ایک بھی خطبہ حجۃ الوداع سے واقف نہ تھا۔

* اگر عورت مرد برابر ہیں تو عورتوں کی فٹ بال ٹیم، کرکٹ ٹیم الگ کیوں ہے؟ عورتوں

مردوں کی ٹیم میں کھیلوں کا مقابلہ کیوں نہیں ہوتا؟ یہ سوال ہم مغرب سے پوچھ رہے ہیں جو عورت اور مرد کی مساوات کا قائل ہے۔ روایتی تہذیبوں اور معاشروں میں خاندان، قبیلہ، برادری سب پیداواری عمل میں شریک ہوتے تھے لہٰذا روزگار رہوتا تھا۔ ریاست کی ذمہ داری روزگار فراہم کرنا نہیں تھی۔ صنعتی معاشرے نے روایتی معاشرے کو ختم کیا اور روزگار کی ذمہ داری ریاست کو دی اور ریاست اس ذمہ داری کو ادا کرنے میں ناکام ہے۔ بے روزگاری (Uneployment) کی اصطلاح انیسویں صدی سے پہلے کسی تہذیب میں موجود نہ تھی اب تو نئی اصطلاح آ گئی ہے۔ یعنی Unemployability۔

مغرب کا اسلامی روایتی مذہبی معاشروں پر اعتراض یہ ہے کہ یہاں عورت منظر عام پر (Visible) کیوں نہیں ہے؟ وہ مخفی (Unvisible) کیوں ہے؟ ہر جگہ ظاہر کیوں نہیں ہوتی؟ وہ نجی دائرے (Private Sphere) سے عوامی دائرے (Public Sphere) میں کیوں نہیں آتی؟ افغانستان میں امریکہ اسٹیٹ بلڈنگ کے لیے آیا تھا اور عراق میں امریکہ نیشن بلڈنگ کے لیے گیا تھا۔ جدید ریاست مرد و عورت کو مساوی سمجھتی ہے اور دونوں کا دائرہ کار ایک ہی رکھتی ہے جس کے لیے وہ عورت مرد کی یکساں تعلیم کا مطالبہ کرتی ہے۔ اگر مغرب کے اس مطالبے کو مان لیا جائے تو تعلیم کے ذریعے سے عورت گھر سے باہر چادر میں نکلے گی اور جب تعلیم مکمل ہوگی تو وہ عورت مرد کی طرح ریاست سے نوکری کا مطالبہ کرے گی اور اس کا سوال بالکل درست ہوگا کہ اگر Phd کرنے کے بعد مجھے گھر میں ہی بیٹھنا ہے ﴿قَرۡنَ فِىۡ بُيُوۡتِكُنَّ﴾ تو مجھے ۲۵ سال تک گھر سے باہر جدید تعلیم کیوں دی گئی؟ تعلیم کا تقاضا اور مطالبہ ہی نوکری ہے اور اس کے لیے صنعتی معاشرے کی ضرورت ہے۔ جدید تعلیم کو تحدیدات کی بجائے آزادانہ چھوڑ دیا جائے تو مذہبی، روایتی، تہذیبی، اخلاقی، لسانی، نسلی، تاریخی اجتماعیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ امریکہ اور یورپ کا تجربہ سامنے ہے۔ جدید تعلیم عورت ہی کا نہیں مرد کا بھی حق نہیں ہے۔ روایتی، مذہبی، مقامی تعلیم صدیوں سے دی جا رہی ہے اس کی طرف مراجعت اسلامی انقلاب کے لیے لازمی ہے۔ ڈاکٹر حسین نصر کے بیٹے ڈاکٹر ولی رضا جو امریکی صدر اوباما کے مشیر تھے، اپنی کتاب ''*Macca Nomics*'' میں لکھتے ہیں: عالم اسلام کی تاریخ میں کبھی عورت اتنی بڑی تعداد میں گھروں سے برقع پہن کر باہر نہیں نکلی۔ مغرب نقاب، حجاب، برقع پر اعتراض نہ کرے۔ دوسرے معنوں میں وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ عورت جب باہر نکلتی

رہے گی تو خود نقاب، حجاب، برقع سے دستبردار ہو جائے گی۔ اسے گھر سے باہر نکلنے دو اس کے حجاب پر پابندی نہ لگاؤ۔ کتنی اہم بات ہے جو امریکہ اور مغرب سے کہی گئی ہے۔ ایران میں رضا شاہ پہلوی کے دورِ اقتدار میں عورتوں پر پابندی عائد کی گئی کہ وہ نقاب حجاب استعمال نہیں کریں گی۔ پابندی کا اثر یہ ہوا کہ عورتوں نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا، وار الٹا (Counter Productive) ہو گیا۔ پابندی کا مقصد یہ تھا کہ عورتیں آزاد ہوں لیکن ردِ عمل میں عورتوں نے آزاد ہونے سے انکار کر دیا۔ اصل بات یہ ہے کہ برقع اور پردہ اس عورت کے لیے ہے جو گھر میں رہتی ہے اور کبھی کسی ضرورت سے باہر نکلتی ہے۔ وہ عورت جو بارہ گھنٹے مردوں کے ساتھ بیٹھے گی اس کا پردہ کیا اور برقع کیا؟ استثنائی صورتِ حال ہر جگہ رہتی ہے لہٰذا خواتین کے بعض امور کے لیے خواتین کو تعلیم دی جائے تو وہ تمام تر تحفظات کے ساتھ دی جائے گی۔ اس تعلیم کا مقصد مرد کے برابر ہونا نہیں بلکہ عورتوں کے لیے خدمات کو ممکن بنانا ہے۔ ایک دو شعبوں میں عورتوں کو تعلیم دی جاسکتی ہے۔ لیکن مغرب کا ایک ہی مطالبہ ہے ''Mass Employment'' اور ''Mass Education'' یعنی مرد عورت گھر سے باہر نکلیں اور مال کمائیں کہ اسی سے آزادی ممکن ہوتی ہے۔

مسئلے کی تفہیم کے لیے ہم پاکستان کے شمالی علاقوں کی مثال دیتے ہیں۔ وہاں ایک امریکی آیا اور اس نے ایک شیعہ مجتہد کو اس بات پر راضی کر لیا کہ شیعہ علاقے میں جدید سیکولر تعلیم کے سکول کھول دیئے جائیں، ان میں وہی تعلیم دی جائے گی جو صنعتی معاشرے کی ضرورت ہے۔ صنعتی معاشرہ وہ ہوتا ہے جہاں لوگوں کو روزگار زراعت میں نہیں صنعتوں (Industries) اور خدمات کے شعبوں (Services Sector) میں ملتا ہے۔ لوگ اپنے آبائی پیشے، کام، گھریلو صنعتوں کو چھوڑ کر جدید شہروں کا رُخ کرتے ہیں۔ روایتی معاشروں میں وہ تعلیم دی جاتی ہے جو ان کی ضروریات، موسم، ماحول روایات کے مطابق ہو۔ اس میں معاشی، سماجی، مذہبی تعلیم کا اپنا دائرہ ہوتا ہے جو روایت کے تناظر میں ہوتا ہے اور مذہبی اقدار کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ شمالی علاقوں میں جب شیعہ علاقے میں سکول کھلے تو سنی علماء کو یہ خوف لاحق ہوا کہ وہ ہم سے آگے نکل جائیں گے، لہٰذا سنی علماء کی اجازت سے ان کے علاقوں میں سکول کھلے۔ جدید تعلیم سے فارغ ہونے والوں نے اپنے روایتی پیشوں، معاشی طریقوں، خاندانی کاروبار وغیرہ کو ترک کیا اور شہروں کی طرف مراجعت کرنے لگے۔ یہ جدید

تعلیم کا اثر تھا۔شمالی علاقوں میں اس تبدیلی کے نتیجے میں چرواہے ختم ہوگئے کہ یہ تو جاہلوں کا کام تھا۔کسانوں کی تعداد کم ہونے لگی کہ یہ بھی کرنے کا کوئی کام ہے؟ آج کراچی کے اکثر ہوٹلوں میں شمالی علاقوں کے امیر خوشحال گھرانوں کے بیٹے، ویٹر اور بٹلر کی نوکری کررہے ہیں۔ شمالی علاقوں میں تبدیلی کے اس عمل کو جاننے کے لیے *Three Cups of Tea* نامی کتاب پڑھیے۔لداخ میں بھی یہی ہوا جدید تعلیم نے لداخ کی صدیوں پرانی معیشت، کاروبار، سماجی تعلقات سب کو تباہ کر دیا۔روایتی معاشرے، اقدار سب تہس نہس ہوگئے۔اس کی تفصیل کے لیے مندرجہ ذیل کتاب کا مطالعہ مفید رہے گا:

The Future of Progress: Reflections on the Environment of Development

اسلامی سکول، اسلامی کالج اور یونیورسٹیاں کھولنے والوں سے ہمارا پہلا سوال یہی ہوتا ہے کہ جب سورۂ احزاب اور سورۂ نور کے ذریعے عورت کا دائرہ کار مقرر کر دیا گیا ہے تو آپ اگر عورتوں کو تعلیم دینا چاہتے ہیں تو ہوم اکنامکس کی تعلیم کیوں نہیں دیتے؟ روایتی تعلیم سے اسے کیوں الگ کرتے ہیں؟ مرد اور عورت کی تعلیم یکساں کیوں ہے؟ کیا آپ مغرب کی طرح مرد عورت کو یکساں تعلیم دے کر مارکیٹ سوسائٹی اور مخلوط معاشرت پیدا کرنا چاہتے ہیں؟

افغانستان کی طرح تمام روایتی معاشرے اپنے کاروبار، پیشوں، ہنرمندی کے کاموں، گھریلو صنعتوں کے ذریعے خود کفیل ہوتے ہیں۔وہ نوکری کے لیے ریاست کے محتاج نہیں ہوتے۔معاشرے کو صنعتی بنانے سے آلودگی کا سیلاب بھی آتا ہے اور قرضے بھی آتے ہیں۔ جدید تعلیم ترقی کا نعرہ لگاتی ہے اور ترقی کا کوئی ماڈل ایسا نہیں جو قرضے، سود، سٹے، بھیک، خیرات کے بغیر کام کرتا ہو۔دنیا کا ہر ملک مقروض ہے اور ترقی یافتہ بھی ہے۔

قرضہ اور ترقی، ترقی اور ماحولیاتی آلودگی، ترقی اور اقدار کا زوال، ترقی اور مخلوط معاشرت، ترقی اور زنا کاری، ترقی اور اخلاقی اقداری مذہبی روایات کی تباہی لازم وملزوم ہیں۔ترقی کرنی ہے تو عورت کو مرد کے مساوی کر کے مارکیٹ میں لانا ہوگا تاکہ سرمایہ دار کو سستے مزدور ملیں۔مرد وعورت گھر سے نوکری کے لیے نکلیں گے تو گھر بار، بچوں، بوڑھوں کو کون دیکھے گا؟ اس لیے کہ صنعتی معاشرے میں Old Home اور Day Care Centre بنیں گے۔

اس طرح ملازمت کے ہزاروں مواقع مہیا ہوں گے، نوکریاں ملیں گی، ملک ترقی کرے گا لیکن خاندان کا کیا حشر ہوگا؟ مغرب کا چہرہ ہمارے سامنے ہے۔ مغرب میں سب سے زیادہ جیلیں، سب سے زیادہ پاگل خانے، سب سے زیادہ ہوٹل، سب سے زیادہ ہسپتال، سب سے زیادہ پاگل، ذہنی مریض، مجرم، قاتل، خونی، لاکھوں قیدی نظر آئیں گے۔ یہ سب ترقی کے عقیدے کا لازمی نتیجہ ہے۔ اسلامی ترقی کے تمام مصنوعی ماڈل ناکام ہو چکے ہیں۔ ترکی، سعودی عرب، ملائشیا، ایران ہر جگہ عورت تیزی سے گھر کی ذمہ داریاں ترک کر کے ملازمت کر رہی ہے۔ اسلامی تہذیب مر رہی ہے اور یہ ترقی کی دوڑ میں لگے ہوئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مغرب کا عقیدہ ترقی، آزادی، مساوات، علوم، سائنس و ٹیکنالوجی سب غیر اقداری ہیں مگر کوئی یہ سوال نہیں پوچھتا کہ مغربی تعلیم، علوم عقلیہ، سائنس و ٹیکنالوجی جہاں جاتے ہیں اس علاقے کی اقدار، روایات، مذہب کو بے اثر، کمزور اور ناقابل قبول کیوں بنا دیتے ہیں؟ غیر اقداری علوم ہماری اقدار بدل رہے ہیں اور ہمیں کچھ نظر نہیں آ رہا؟ افغانستان کے بارے میں امریکہ کا یہ خیال تھا کہ یہ ابھی تک روایتی، قبائلی، مذہبی معاشرہ ہے لہٰذا یہاں State وجود نہیں رکھتی۔ امریکہ امارتِ اسلامیہ کی بجائے اسٹیٹ قائم کرنے آیا تھا اور اب بھی پر امید ہے کہ طالبان افغانستان کو جلد جدید ریاست میں تبدیل کر دیں گے۔ جدید ریاست میں تبدیل کا عمل درج ذیل طریقے سے ہوتا ہے:

۱۔ تعلیم (Education) ۲۔ پولیٹیکل پروسیس (Political Process)

۳۔ شراکت داری (Participation) ۴۔ میڈیا (Media)

۵۔ سول سوسائٹی (Civil Society)

کیا طالبان ان تمام اقدامات کو قبول کرنے کے لیے تیار ہیں؟ طالبان ترقی کو عقیدہ بنائیں گے تو مغرب سے قرضہ اور ٹیکنالوجی لینا ہوگی۔ وہ صنعتی معاشرہ بنائیں گے تو سود پر قرضے، بھیک مغرب سے لینا ہوگی اور ماحولیاتی تباہی و بربادی بھی حصہ میں آئے گی۔ پھر اس ملک کا حال کیا ہوگا؟ اس کے لیے پاکستان کی مثال سامنے ہے جہاں ترقی کے لیے ستر سال تک قرضہ لیا گیا۔ اب ترقی کے لیے اس قرضے کا سود ادا کرنے کے لیے قرضہ لیا جا رہا ہے۔

تمام عالمی طاقتیں مقروض ہیں۔تفصیل کے لیے دیکھیے: ''The Great Degeneration'' طالبان اگر جدید ریاست بنانا چاہتے ہیں، جدید تعلیم کو عام کرنا چاہتے ہیں مکمل صنعتی معاشرے میں تبدیل ہوکر روایتی معاشرت ومعیشت کوصنعت سے تبدیل کرتے ہیں تو انہیں بہت سے ایسے اقدامات کرنا ہوں گے جو دین سے سراسر متصادم ہوں گے جس کے نتیجے میں وہ اندرونی خلفشار اور انتشار میں مبتلا ہوجائیں گے۔

مغرب کا ترقیاتی ماڈل یہی ہے کہ عورت مرد برابر ہیں دونوں کو یکساں تعلیم دو۔Mass Education کے نتیجے میں Mass Migration ہوگا۔میگا سٹی بنیں گے۔لوگ اپنے آبائی علاقے آبائی خطے چھوڑ کر شہروں کا رخ کریں گے۔اور زرعی علاقے اور اجناس مہیا کرنے کے لیے ملٹی نیشنل کارپوریشن آجائیں گی۔جدید ترقی یافتہ ملکوں میں دیکھیے زراعت کے شعبے میں سب سے کم روزگار اور خدمات کے شعبے میں سب سے زیادہ روزگار ہوتا ہے اور صنعتی شعبے میں سروس سیکٹر کے بعد روزگار ہوتا ہے۔کیا طالبان اپنے ملک کوصنعتی انقلاب کی طرف لے جانا چاہتے ہیں جو ترقی کے عقیدے کا لازمی نتیجہ ہے؟ مگر صنعتی انقلاب قرضے، خیرات، بھیک، امداد، سود، سٹے کے بغیر ممکن نہیں۔مغرب میں صنعتی انقلاب کالونیل ازم کے بعد کالونیوں سے لوٹے گئے مال سے برپا ہوا، نئے ملکوں میں یہ انقلاب قرضوں سے آیا۔ قرضوں کا مطلب مغرب کی مکمل غلامی ہے۔ضروری صنعتیں لگالی جائیں لیکن لوگوں کو تعلیم یافتہ بنا کر روزگار کی ذمہ داری ریاست قبول نہ کرے۔اسلامی تاریخ کے کسی دور میں امارت نے لوگوں کو روزگار نہیں دیا۔Unemployment کی اصطلاح انیسویں ویں صدی میں آئی اور اکیسویں صدی میں Unemployable کی اصطلاح آچکی ہے۔نا قابل ملازمت روایتی تہذیبوں میں روز گار ہوتا تھا ریاست نوکری مہیا نہیں کرتی تھی مثلاً افغانستان میں صدیوں سے روزگار ہوتا تھا ریاست نوکری مہیا نہیں کرتی تھی۔افغانستان میں صدیوں سے روزگار ہے۔جدید افغانستان بننے کے باوجود روایتی روزگار آج بھی موجود ہے۔افغانستان کے ۲۲ ۴ صوبوں میں سے ۲۰۰ صوبوں میں لڑکوں کا بھی سکول نہیں ہے۔یہ ایک خوشخبری ہے مگر کہا یہ جارہا ہے کہ طالبان کے پاس پیسے نہیں تو وہ لڑکوں لڑکیوں کو تعلیم کیسے دیں، سکول کیسے کھولیں؟ کیا طالبان صنعتی معاشرے کی طرف جارہے ہیں جس نے تباہ کن ماحولیاتی

آلودگی پھیلائی؟ کیا وہ مخلوط معاشرت پیدا کریں گے؟ کیا لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم ایک جیسی ہوگی؟ لڑکیوں کو وہی تعلیم دی جائے جو صدیوں سے دی جا رہی ہے۔ ہوم اکنامکس کی تعلیم کا اضافہ کرلیں۔ کچھ مخصوص شعبوں میں بھی ان کو تعلیم دیں لیکن لڑکیوں کی Mass Education کا مطلب یہ ہے کہ انہیں روزگار بھی مہیا کیا جائے، مردوں کے برابر آنے دیا جائے، لڑکیوں کو روزگار کے یکساں مواقع مہیا کیے جائیں۔ مغرب عورت مرد کو یکساں مواقع دینے کے مطالبے کرے گا، طالبان کہہ دیں کہ ہمیں مشورے مت دو۔ اگر انہوں نے لڑکوں اور لڑکیوں کو Mass Education مہیا کی تو وہ جدیدیت کے راستے پر چل پڑیں گی۔

وہ ترقی کو اپنا عقیدہ نہ بنائیں کہ ترقی تاریخ انسانی کا سب سے پرتشدد نظریہ ہے۔ اس کے تشدد سے مجبور ہوکر مغربی اقوام نے Development کی بجائے Sustainable Development کی اصطلاح ایجاد کی ہے۔ اس کے سترہ اہداف UNO نے منظور کیے ہیں جو تیسری دنیا کے ممالک کبھی حاصل نہیں کر سکتے۔ اگر طالبان یہ بہانہ کریں کہ لڑکیوں کی تعلیم کے لیے ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں تو دنیا بھر سے NGOs سکول مفت میں کھولنے افغانستان پہنچ جائیں گی۔ *Three Cups of Tea* کے مصنف کی کہانی پڑھ لیجیے۔ بات ہمیشہ اصولی ہونی چاہیے۔ حکمت، مصلحت، مصالحت زیادہ عرصہ نہیں چل سکتے۔ تاریخ اسلامی میں نہ سکول تھے نہ کالج نہ یونیورسٹی۔ نہ مردوں کے لیے نہ عورتوں کے لیے تو عورتوں کو تعلیم کیسے دی جاتی تھی؟ عہد رسالت مآب ﷺ میں عورتوں کی تعلیم کا جو طریقہ تھا وہی طریقہ آج بھی برقرار ہے۔ اسے بدلا نہیں جا سکتا ان کے لیے ایک ہی حکم ہے ﴿قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ﴾ اس حکم میں اجتہاد نہیں ہوسکتا۔ کیا طالبان اس عقیدے کے اعلان میں کوئی جھجھک محسوس کرتے ہیں؟ اگر واقعی ایسا ہے تو طالبان میں خود اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ اس اختلاف سے انہیں نقصان ہوگا اور دین اسلام کو بھی نقصان پہنچے گا۔ امریکہ کو شکست دینے والے عظیم طالبان تعلیم اور ترقی کے عقیدوں کے میدان میں ان شاء اللہ شکست سے دو چار نہیں ہوں گے۔ ہمیں ان کے بے مثال اور باکمال ایمان سے یہی امید ہے۔ طالبان اس بات کو ذہن میں بٹھا لیں کہ دنیا میں ترقی کا کوئی ایسا ماڈل وجود ہی نہیں رکھتا جو قرضے، سود، سٹے، بھیک، خیرات، صدقے کے بغیر کام کرتا ہو۔ جو جتنا زیادہ ترقی یافتہ ہے وہی سب سے زیادہ مقروض ہے۔ (بقیہ صفحہ نمبر: ۴۶)

فقہ و قانون

ڈاکٹر حافظ حسن مدنی[۱]

غیر عورت کے بیضہ سے پیدا شدہ اولاد کی
ماں اور والد سے رشتہ داری اور وراثت کے مسائل

[البرہان میں اس طرح کے پچھلے مضمون کی اشاعت پر بعض احباب نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا لیکن سوء اتفاق سے یہ دونوں واقعات حقیقی ہیں، فرض کردہ نہیں۔ یہ صورتِ حال ناپسندیدہ ضرور ہے لیکن بدقسمتی سے مغربی معاشرے کی تقلید میں ہمارے ہاں بہت کچھ غیر اسلامی ہونا شروع ہوگیا ہے اور ہمارے علماء وفقہاء کو بہر حال ایسے مسائل کا جواب تو دینا پڑے گا۔ مدیر]

استفسار: اسلامی نظریاتی کونسل کے سوالات سے ملتا جلتا ایک سوال انہی دنوں ایک خاتون ڈاکٹر نے کیا، جو مختصراً یوں ہے کہ ایک عورت (الف) میں خرابئ صحت کی وجہ سے نسوانی بیضہ (Egg) پیدا نہیں ہوتا تھا، چنانچہ اس نے ۲۱ سال قبل ایک دوسری نامعلوم خاتون (ب) سے بیضہ عطیہ کرا کے، اس کو اپنے شوہر (ج) کی مرضی کے ساتھ، اس کے مردانہ تولیدی جرثومہ (Sperm) کے ساتھ ٹیسٹ ٹیوب بے بی میں ملاپ IVF کرایا، جس (ب اور ج) سے بننے والے نطفہ (Zygote) کو اس (الف) نے اپنے رحم میں رکھوا لیا۔ آٹھ نو ماہ کے بعد اس کے ہاں اس نطفہ سے دو جڑواں لڑکیاں (د) پیدا ہوئیں۔ ان لڑکیوں (د) کا انہیں جنم دینے والی والدہ (الف)، اس کے شوہر (ج) اور بیضہ والی ماں (ب) سے کیا رشتہ ہے اور اُن لڑکیوں کو ان تینوں کی وراثت سے کیا حصہ ملے گا؟

نیز چند روز قبل جنم دینے والی ماں (الف) کا انتقال ہوگیا ہے تو (ج) کو (الف) کی وراثت سے کیا حصہ ملے گا؟

جواب

رب کریم کی حمد وثنا کے بعد!

[۱] مدیر جامعہ رحمانیہ لاہور، وایسوسی ایٹ پروفیسر علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

غیراسلامی تہذیبوں سے بہت زیادہ میل جول اوران سے مرعوبیت کے دور میں اس نوعیت کے بہت سے مسائل اوراس کی مختلف صورتیں پیش آتی رہتی ہیں۔اس لیے ان کی ضروری تفصیل اورشریعتِ اسلامی کے متعلقہ احکام پیش نظر رکھنے ضروری ہیں جن کی روشنی میں ہی اس مسئلہ کوسمجھا جاسکتا ہے۔یہ شرعی احکام مختصراًحسبِ ذیل ہیں:

اَولاد والدین سے کیا،کیاحاصل کرتی ہے؟

اسلام کی رو سے خالق کائنات جلّ جلالہٗ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد والدین کے حقوق سب سے زیادہ ہیں،جن میں اُن سے حسن سلوک،اطاعت،اُن کے لیے دعا،اُن کا نفقہ،ان کے ہمراہ رہنا،نکاح میں ان کی رضامندی اوراولاد کی وراثت میں ان کا حصہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔والدہ کاماں ہونا(مادریت Mother hood) کئی ایک اعتبار سے ہے:

۱۔ بیضہ(Egg) کے اعتبار سے

۲۔ حمل اورجنم دینے کے لحاظ سے

۳۔ رضاعت کی بناپر

۴۔ محبت،پرورش،تربیت،اورزندگی بھرنگرانی وہمدردی کی بناپر

۵۔ زندگی میں حق عدل اوروالدہ کی وفات کے بعدحق میراث وغیرہ

جبکہ والدکی ولدیت(پدریت Father hood) کے اسباب درج ذیل ہیں:

i. جرثومہ(Sperm) کی بناپر

ii. والدہ اوربچے کی مالی کفالت(لباس،رہائش،طعام،علاج واخراجات وغیرہ)اورتحفظ

iii. محبت،تربیت،بیٹی کانکاح کرانا،زندگی بھرہمدردی کرنا

iv. زندگی میں حق عدل اوروالدکی وفات کے بعدحق میراث وغیرہ

ماں سے ملنے والے حقوق

اولاد کے ہرایک حق پرقرآن وسنت میں بہت سے دلائل ہیں،جن میں سے قابل ذکر یہ

ہیں کہ:

اوّل: پانی اور نطفہ سے انسان کی تخلیق: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ:

﴿فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝٥ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝٦ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝٧﴾ [الطارق ۸۶:۵ تا ۷]

''تو انسان کو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ وہ اچھل کر نکلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے، جو پشت اور سینہ کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔''

محترم مولانا عبدالرحمن کیلانی آخری آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''یہ نطفہ (پانی) ان اعضا سے نکلتا ہے جو صلب اور سینہ کی پسلیوں کے درمیان ہیں۔ اس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ مرد کا نطفہ تو صُلب سے نکلتا ہے اور عورت کا سینہ کی پسلیوں سے۔ لیکن یہ خیال کچھ درست معلوم نہیں ہوتا۔ اطبا کا خیال یہ ہے کہ منی خواہ مرد کی ہو یا عورت کی، عمل انہضام کے چوتھے مرحلہ پر پیدا ہوتی ہے اور اس کی تخلیق میں اعضائے رئیسہ یعنی دل، جگر اور دماغ کا خاصا عمل دخل ہوتا ہے۔ اور یہ انہضام چونکہ انسان کے دھڑ کے اندرونی حصے میں واقع ہوتا ہے لہٰذا اسے صُلب اور ترائب کے مابین سے ذکر کر دیا گیا ہے۔''

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی تخلیق پانی سے ہوتی ہے جو انسانی جسم کے اعضائے رئیسہ سے بنتا ہے۔ والدین سے انسان کا یہی اصل اور بنیادی تعلق ہے جس کی بنا پر خاندان، نسل (Family Tree) اور سلسلۂ وراثت جاری ہوتا ہے۔

احادیثِ نبویہ میں مرد و زن، دونوں کے جرثومۂ تولید کو مَاء پانی قرار دیا گیا ہے جن میں جینیاتی خلیات ہوتے ہیں۔ سیدنا انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ یہود کے عالم سیدنا عبداللہؓ بن سلام نے پوچھا کہ میرے تین سوال ہیں، جنہیں نبی کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ ان کا آخری سوال یہ تھا کہ وَمَا يَنْزِعُ الْوَلَدُ إِلَى أَبِيهِ أَوْ إِلَى أُمِّهِ؟ بچہ اپنی ماں یا باپ کے مشابہ کب ہوتا ہے؟ تو ان کے جواب میں نبی کریم نے فرمایا:

"أَخْبَرَنِي بِهِنَّ جِبْرِيلُ آنِفًا... وَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ الْمَرْأَةِ نَزَعَ الْوَلَدَ

وَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الْمَرْأَةِ نَزَعَتْ۔"[۱]

"مجھے ابھی جبریل ان باتوں کی خبر دے گئے ہیں... اور جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت کر لے تو بچہ باپ کی شکل پر ہوتا ہے اور جب ماں کا پانی سبقت کر لے تو بچہ ماں کی صورت پر ہوتا ہے۔"

اس معنی کی بہت سی احادیثِ نبویہ ہیں، جن میں ایک قابل ذکر، صحیح مسلم کی حدیث نمبر ۳۱۴ ہے جو اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے۔ ان احادیث میں والدین کے پانی پر مَاء کا لفظ ہی بولا گیا ہے۔

مرد و زن دونوں کے جینیاتی خلیات جب اگلی تخلیق کے لئے مل جائیں تو اسے 'نطفہ' کہا جاتا ہے اور حاشیہ میں مذکور آیات [۲] میں نطفہ سے انسان کی تخلیق کا ذکر کیا گیا ہے۔ گویا انسان کی اصل تخلیق مردانہ اور نسوانی پانی کی بنا پر ہوتی ہے اور اس کی تخلیق اور اوصاف میں وہی بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ والدین ہونے کی اصل اساس بھی یہی جینیاتی پانی ہی ہے۔

دوم: حمل اور جنم دینے والی بھی ماں ہے: حمل اور وضع حمل بھی ماں ہونے کی بنیاد ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ:

﴿اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓئِيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ﴾ [المجادلہ ۵۸:۲]

"تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظِہار کرتے ہیں، وہ ان کے (کہہ دینے سے) مائیں نہیں بن جاتیں۔ ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے اُنھیں جنا تھا۔"

---

[۱] صحيح البخاري: كِتَابُ تَفْسِيرِ القُرْآنِ (بَابُ قَوْلِهِ ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ﴾)، رقم: ۴۴۸۰

[۲] ﴿فَإِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ﴾ (سورۃ الحج: ۵)

"ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر خون کے لوتھڑے سے..."

﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ﴾ (سورۃ الدہر: ۲)

"ہم نے انسان کو (مرد اور عورت کے) مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔"

﴿ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ﴾ (سورۃ المؤمنون: ۱۳)

"پھر ہم نے اسے ایک محفوظ مقام (رحم مادر) میں نطفہ بنا کر رکھا۔"

سورۃ الاحقاف میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِ اِحۡسٰنًا ؕ حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ كُرۡهًا وَّوَضَعَتۡهُ كُرۡهًا ؕ وَحَمۡلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوۡنَ شَهۡرًا ؕ﴾ [الاحقاف ۴۶:۱۵]

''ہم نے انسان کو حکم دیا کہ وہ اپنے والدین سے اچھا سلوک کرے۔ اس کی ماں نے مشقت اُٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور مشقت اُٹھا کر ہی جنا۔ اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس ماہ لگ گئے۔''

سورۃ لقمان کی آیت نمبر ۱۴ میں بھی والدہ کے لیے اس سے ملتے جلتے الفاظ آئے ہیں۔

ان آیاتِ کریمہ سے علم ہوتا ہے کہ ماں تو وہ ہے جو نو ماہ بچے کو رحم میں اُٹھاتی اور اسے جنم دیتی ہے۔

☆ عاریتی رحم والی ماں Surrogate Mother بنانے میں شرعی ضوابط کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اولاد پر ایسی ماں کے حقوق ادا کرنا بھی ضروری ہے اور ایسی ماں کو بچہ جنم دینے کے بعد، اپنی اولاد سے منقطع بھی نہیں کیا جا سکتا۔ فرمانِ نبوی ہے کہ:

''مَنۡ فَرَّقَ بَيۡنَ الۡوَالِدَةِ وَوَلَدِهَا فَرَّقَ اللّٰهُ بَيۡنَهُ وَبَيۡنَ أَحِبَّتِهِ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ۔''[۱]

''جو شخص ماں اور اس کے بچے کے درمیان جدائی ڈالے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے اور اس کے دوستوں کے درمیان جدائی ڈال دے گا۔''

☆ قرآن کریم میں یہ بھی وضاحت ہے کہ محض ہمارے کہہ دینے یا بنا لینے سے کوئی ماں نہیں بن جاتی ہے، اور نہ ہی ہمارے لے پالک ہماری اولاد ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ان رشتوں کے لیے ہمارے خالق عزوجل کی ہدایت اور حکم ہی حقیقی بنیاد ہے، ارشادِ باری ہے کہ:

﴿وَمَا جَعَلَ اَزۡوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔىۡ تُظٰهِرُوۡنَ مِنۡهُنَّ اُمَّهٰتِكُمۡ ۚ وَمَا جَعَلَ

[۱] جامع الترمذی: أَبۡوَابُ الۡبُيُوعِ عَنۡ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الۡفَرۡقِ بَيۡنَ الۡأَخَوَيۡنِ أَوۡ بَيۡنَ الۡوَالِدَةِ وَوَلَدِهَا فِي الۡبَيۡعِ، رقم: ۱۲۸۳

اَدۡعِيَآءَكُمۡ اَبۡنَآءَكُمۡ ؕ ذٰلِكُمۡ قَوۡلُكُمۡ بِاَفۡوَاهِكُمۡ ؕ﴾[الاحزاب ۳۳:۴]

''اور نہ ہی تمہاری ان بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو، اُس نے تمہاری مائیں بنایا ہے اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے حقیقی بیٹے بنایا ہے۔ یہ تو تمہارے منہ کی باتیں ہیں مگر اللہ حقیقی بات کہتا ہے اور وہی صحیح راہ دکھاتا ہے۔''

سوم: دودھ پلانے والی عورت بھی (رضاعی) ماں ہے

سورۃ الاحقاف کی مذکورہ بالا آیت میں دودھ پلانے اور چھڑانے والی خاتون کو والدین میں شمار کیا گیا ہے۔

اسی طرح جن رشتوں سے نکاح حرام ہے، ان میں ﴿وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىۡۤ اَرۡضَعۡنَكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾[النساء ۴: ۲۳] کے تحت رضاعی ماں اور رضاعی بہن پر بھی اللہ تعالیٰ نے ''ماں'' اور ''بہن'' کا لفظ بولا ہے۔

''اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری دودھ شریک بہنیں [بھی تم پر حرام ہیں]۔''

احادیثِ نبویہ میں ہے کہ ابو طفیل عامر بن واثلہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ:

رَأَيۡتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقۡسِمُ لَحۡمًا بِالۡجِعِرَّانَةِ قَالَ أَبُو الطُّفَيۡلِ وَأَنَا يَوۡمَئِذٍ غُلَامٌ أَحۡمِلُ عَظۡمَ الۡجَزُورِ إِذۡ أَقۡبَلَتِ امۡرَأَةٌ حَتَّى دَنَتۡ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَبَسَطَ لَهَا رِدَاءَهُ فَجَلَسَتۡ عَلَيۡهِ. فَقُلۡتُ: مَنۡ هِيَ؟ فَقَالُوا: هَذِهِ أُمُّهُ الَّتِي أَرۡضَعَتۡهُ.[۱]

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جعرانہ میں گوشت تقسیم کرتے دیکھا، ان دنوں میں لڑکا تھا، اور ونٹ کی ہڈیاں ڈھو رہا تھا کہ اتنے میں ایک عورت آئی، حتیٰ کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب آ گئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے اپنی چادر بچھا دی اور وہ اس پر بیٹھ گئی۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون تھی؟ تو صحابہ ؓ نے بتایا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ماں تھی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔''

---

[۱] سنن أبي داود: كِتَابُ النَّوۡمِ (بَابٌ فِي بِرِّ الۡوَالِدَيۡنِ)، رقم: ۵۱۴۴، حسن کما قالہ شیخ شعیب ارناؤط

اس روایت سے یوں استدلال کیا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے آپ کی موجودگی میں اسے ماں قرار دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر خاموش رہے، تو یہ تقریری حدیث ہوئی جس سے دلیل لی جاسکتی ہے۔ اور اگلی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود 'رضاعی چچا' کا لفظ استعمال کیا ہے۔

سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے گھر میں تھے کہ ایک شخص سیدہ حفصہؓ کے گھر میں آنے کی اجازت مانگ رہا تھا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ:

"هَذَا رَجُلٌ يَسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أُرَاهُ فُلَانًا لِعَمِّ حَفْصَةَ مِنَ الرَّضَاعَةِ. قَالَتْ عَائِشَةُ: لَوْ كَانَ فُلَانٌ حَيًّا لِعَمِّهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ دَخَلَ عَلَيَّ فَقَالَ: نَعَمْ الرَّضَاعَةُ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ۔ [1]

''یہ شخص آپ کے گھر میں آنے کی اجازت چاہتا ہے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میرا خیال ہے یہ فلاں شخص ہے۔" آپ نے سیدہ حفصہؓ کے رضاعی چچا کا نام لیا۔ اس پر سیدہ عائشہؓ نے سوال کیا کہ فلاں، جو ان کے رضاعی چچا تھے، اگر زندہ ہوتے تو میرے پاس آسکتے تھے؟ آپ نے فرمایا: "ہاں دودھ بھی ان رشتوں کو محرم بنا دیتا ہے جنہیں خون بناتا ہے، یعنی دودھ پینے سے وہی رشتہ قائم ہو جاتا ہے جو خون سے قائم ہوتا ہے۔"

ان احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی ماں کو 'ماں' اور اُمّہات المومنین سیدہ حفصہ وسیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما کے رضاعی چچاؤں کو 'چچا' قرار دیا گیا ہے۔ شیخ محمد صالح المنجد اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں کہ:

"لا تشبه الأحكام الشرعية المتعلقة بالرضاع تلك المتعلقة بأحكام النسب، فالرضاع لا يوجب النفقة ولا التوارث ولا ولاية النكاح... بخلاف النسب. ويشتركان فى تحريم النكاح، وإباحة النظر، والخلوة، والمحرمية فى السفر.

---

[1] صحیح البخاری: كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابُ ﴿وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ﴾، رقم: ۵۰۹۹

وهذا من حكمة الشرع، ولا يمكن أن يجعل الشرع حقوق الأم من الرضاعة والتى ترضع الطفل خمس مرات بتلك التى حملت ووضعت وأرضعت وربَّت، وكانت السبب المحسوس فى وجود الولد، وهل ما فى قلب الأم من النسب مثل ما فى قلب الأم من الرضاعة من حيث الشفقة والرحمة والحرص؟"[۱]

’’رضاعت سے ثابت ہونے والے شرعی احکام، نسب[۲] کے احکام سے کلی مشابہت نہیں رکھتے۔ رضاعی رشتہ نفقہ، وراثت اور ولایتِ نکاح کو لازمی نہیں کرتا، بخلاف نسب کے۔ جبکہ رضاعت ونسب کے مشترک احکام یہ ہیں کہ ان کی وجہ سے نکاح کی حرمت، دیکھنے کا جواز، علیحدہ ہونا اور سفر کا محرم بنا جا سکتا ہے۔

اور یہ شریعت کی حکمتِ بالغہ ہے، ایسا ممکن نہیں کہ شریعت پانچ بار دودھ پلانے والی رضاعی ماں کو اس حقیقی ماں کی طرح کر دے جس نے نو ماہ حمل اٹھایا، جنم دیا، دودھ پلایا اور تربیت کی اور جو عورت بچے کے وجود میں آنے کا مادی محسوس سبب بنی۔ اور کیا خیال ہے کہ نسب [بیضہ] والی حقیقی ماں کے دل میں رضاعی ماں جتنی ہی شفقت، رحمت اور تڑپ ہو سکتی ہے۔‘‘

آپ مزید لکھتے ہیں کہ:

لذا ذكر بعض العلماء أن على الابن من الرضاعة إكرام وتقدير أمه ووالده من الرضاعة، وليس عليه البر والصلة التى تكون بين الولد ووالديه، وبينه وبين رحِمِه.

---

[۱] https//:islamqa.info/ar/answers/40005

[۲] نسب سے یہاں مراد، نسلی یا خونی رشتہ داری ہے، وگرنہ نسب کا تعلق ماں کی بجائے والد سے ہی ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے: ﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَمَوَالِیْكُمْ ؕ﴾ [الاحزاب ۳۳:۵]
’’انہیں ان کے حقیقی باپوں سے ہی منسوب کرو، یہی اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف والا طریقہ ہے۔ اگر تمہیں ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو پھر یہ تمہارے دینی بھائی یا تمہارے آزاد کردہ غلام ہیں۔‘‘

''بعض علماے کرام نے لکھا ہے کہ رضاعی اولاد کو اپنے رضاعی والدین کا احترام اور عزت افزائی کرنی چاہیے، تاہم اس پر ویسی نیکی اور صلہ رحمی لازمی نہیں جو حقیقی اولاد و والدین اور خونی رشتہ داروں میں ہوتی ہے۔''

مذکورہ تفصیل سے علم ہوا کہ رضاعی رشتے بھی بہت سے حقوق رکھتے ہیں، تاہم وہ خونی رشتوں سے مختلف ہیں۔

چہارم: تربیت و نگرانی بھی اولاد کے حقوق ہیں: والدین کے فرائض اور اولاد کے حقوق میں تربیت، حفاظت، نگہداشت، تعلیم، نکاح کرنا، محبت اور حق عدل و میراث وغیرہ بھی شامل ہیں۔جن میں سے ہر فریضہ وحق کے مستقل دلائل ہیں، چند اہم دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾[التحریم۶۶:۶]

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔''

۲۔﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ﴾[الاحزاب ۳۳:۵۹]

''اے نبی! اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی چادروں کے پلو اپنے اوپر لٹکا لیا کریں۔''

۳۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ بَعْلِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ"...[۱]

''مرد اپنے اہل خانہ کا نگہبان ہے، اس سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی اور اس کے بچوں کی نگہبان ہے، اس سے ان کے متعلق پوچھا

[۱] صحیح البخاری: كِتَابُ العِتْقِ (بَابُ كَرَاهِيَةِ التَّطَاوُلِ عَلَى الرَّقِيقِ، وَقَوْلِهِ: عَبْدِي أَوْ أَمَتِي)، رقم ۲۵۵۴:

جائے گا۔''

۴۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ، وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ، وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ۔"[۱]

"اپنے بچوں کو جب وہ سات سال کے ہو جائیں تو نماز کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں (اور نہ پڑھیں) تو اُنہیں اس پر مارو اور ان کے بستر جدا جدا کر دو۔"

ان آیات واحادیث میں والدین کو اولاد کے بارے میں فکر اور پابندی کرنے کی ہدایات اور روزِ قیامت اس بارے میں باز پرس کی وعید سے علم ہوتا ہے کہ یہ نگرانی اولاد کا حق اور والدین کا فریضہ ہے۔

۵۔ سیدنا ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ، أَوْ يُمَجِّسَانِهِ، كَمَا تُنْتَجُ البَهِيمَةُ بَهِيمَةً جَمْعَاءَ، هَلْ تُحِسُّونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ۔"[۲]

''ہر بچہ فطرتِ (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے۔اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں، جیسا کہ جانور صحیح وسالم عضو والا بچہ جنتا ہے، کیا تم ان میں کوئی کان کٹا ہوا دیکھتے ہو؟''

ان آیات واحادیث میں بچوں کو اُہل، اُہل بیت، اولاد، بنات، ولدہ اور ماں باپ کو اُبواہ کہا گیا ہے۔ اور ان سے علم ہوا کہ بچے کی تعلیم وتربیت، اس کے دین کی حفاظت اور اس کی نگہداشت والدین کا فریضہ ہے۔ اور روزِ قیامت ربّ کریم اس بارے میں ان سے باز پرس کریں گے۔

---

[۱] سنن أبي داود: كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ مَتَى يُؤْمَرُ الْغُلَامُ بِالصَّلَاةِ، رقم: ۴۹۵

[۲] صحیح البخاری: كِتَابُ الجَنَائِزِ، بَابُ إِذَا أَسْلَمَ الصَّبِيُّ فَمَاتَ، هَلْ يُصَلَّى عَلَيْهِ، وَهَلْ يُعْرَضُ عَلَى الصَّبِيِّ الإِسْلَامُ، رقم: ۱۳۵۸

والد سے ملنے والے حقوق

پنجم: نسب و نسل کا تعلق: والد سے ملنے والے تعلق کے سلسلے میں جینیاتی پانی کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نسب و نسل کا تعلق بھی والد کے ساتھ قائم کیا ہے جیسا کہ سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 5 گزری ہے۔

والدہ کے ہاں ولادت سے نانا، نانی، ماموں، خالہ، اور ان کی اولاد سے خونی رشتہ بنتا ہے جبکہ شرعی شوہر کے ہاں اولاد پیدا ہونے سے والد کے ساتھ رشتہ متعین ہوتا اور بھائی، بہن، دادا، دادی، چچا، پھوپھو اور ان کی اولاد سے خونی رشتہ ثابت ہوتا ہے۔ نکاحِ شرعی کے بغیر محض طبعی تعلق مثلاً نطفہ، کروموسومز یا DNA وغیرہ کے مل جانے کی بنا پر بننے والے طبعی رشتوں کو اسلام تسلیم نہیں کرتا، چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا:

"وَمَنِ ادَّعَى وَلَدًا مِنْ غَيْرِ رِشْدَةٍ فَلَا يَرِثُ وَلَا يُورَثُ۔"[۱]

''اور جو کوئی نکاحِ صحیح کے بغیر کسی بچے کا دعوی کرے تو نہ وہ باپ اس بچے کا وارث ہوگا اور نہ وہ بیٹا اس باپ کا۔''

سیدنا عبداللہ بن عمروؓ بن العاص سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"وَإِنْ كَانَ مِنْ أَمَةٍ لَمْ يَمْلِكْهَا، أَوْ مِنْ حُرَّةٍ عَاهَرَ بِهَا فَإِنَّهُ لَا يَلْحَقُ بِهِ، وَلَا يَرِثُ، وَإِنْ كَانَ الَّذِي يُدْعَى لَهُ هُوَ ادَّعَاهُ فَهُوَ وَلَدُ زِنْيَةٍ مِنْ حُرَّةٍ كَانَ أَوْ أَمَةٍ۔"[۲]

''اور اگر بچہ کسی ایسی کنیز سے ہو جو اس مدعی باپ کی ملکیت نہ تھی یا کسی آزاد عورت سے ہو، جس کے ساتھ اس نے زنا کیا تھا تو بھی اس کے ساتھ اس بچے کو ملحق نہ کیا جائے گا اور نہ وہ وارث ہوگا۔ اور اگرچہ جس کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے وہ اس کا مدعی بھی ہو۔ تو ایسا بچہ

[۱] سنن أبي داود: كِتَابُ الطَّلَاقِ (بَابٌ فِي ادِّعَاءِ وَلَدِ الزِّنَا)، حسن لغیرہ کما قالہ شیخ شعیب ارناؤط

[۲] سنن أبي داود: كِتَابُ الطَّلَاقِ (بَابٌ فِي ادِّعَاءِ وَلَدِ الزِّنَا)، رقم: ۲۲۶۵، حسن

ولد الزنا ہوگا، چاہے کسی آزاد عورت سے ہو یا لونڈی سے۔''

گویا والدین اور اولاد کا باہمی تعلق دراصل جینیاتی جرثومہ کی بنا پر ہے، تاہم والدین کے جرثوموں کا ملاپ اگر نکاحِ شرعی کی بنا پر نہیں ہوا، تو شریعتِ اسلامیہ میں اولاد کا والد اور اس کے رشتہ داروں سے کسی تعلق کا اعتبار نہیں ہوگا، جیسا کہ امام محمد بن ادریس شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

"فكان معقولًا في كتاب الله أن ولد الزنا لا يكون منسوبًا إلى أبيه لما وصفنا من أن نعمته إنما تكون من جهة طاعته لا من جهة معصيته۔"[۱]

''تو کتاب اللہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ولد الزنا کو اس کے باپ سے منسوب نہ کیا جائے کیونکہ اولاد اللہ کی نعمت ہے اور یہ نعمت اللہ کی اطاعت کے نتیجے میں ملتی ہے، نہ کہ نافرمانی پر۔''

مشہور حنفی فقیہ امام ابوبکر رازی جصاصؒ (م ۳۷۰ھ) اپنی کتاب ''احکام القرآن'' میں بالکل واضح لکھتے ہیں:

"فالميراث إنما يتعلق حكمه بثبوت النسب منه لا بأنه من مائه، ألا ترى أن ولد الزنا لا يرث الزاني لعدم ثبوت النسب وإن كان من مائه۔"[۲]

''پھر وراثت کا تعلق [والد سے شرعی] نسب کے ثابت ہونے سے ہے، نہ کہ اس بنا پر کہ بچہ اس کے پانی سے ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ولد الزنا زانی کا وارث نہیں بن سکتا کیونکہ اس کا نسب اس سے ثابت نہیں ہے باوجود اس کے، کہ وہ اس کے پانی سے ہوتا ہے۔''

اس موضوع پر راقم کا مفصل مضمون مجلّہ 'محدث' لاہور کے شمارہ جولائی ۲۰۰۵ء میں بعنوان 'اسلام میں نسب ونسل کا نظام' ملاحظہ فرمائیں، جس میں اس اجماعی اسلامی موقف کے قرآن وسنت سے مفصل دلائل، اور ائمہ فقہا کے اقوال جمع کر دیے گئے ہیں۔ (جاری ہے)

---

[۱] احکام القرآن از محمد بن ادریس شافعی: ۲/ ۱۹۰

[۲] احکام القرآن از ابوبکر رازی جصاص: ۳/ ۳۳۸

البرہان کی ڈاک/مکالمہ ادارہ

البرہان کے نام

ڈاکٹر ایس ایم زمان (اسلام آباد)

آپ نے پچھلے ماہ البرہان میں سید خالد جامعی صاحب اور فصیح اقبال صاحب کی طرف سے تفہیم مغربی فکر وتہذیب کا جو نصاب انگریزی میں دینی مدارس کے لیے طبع کیا ہے اس کا معیار اتنا اونچا ہے کہ وہ دینی مدارس کے طلبہ کے لیے موزوں نہیں۔ اسے اردو میں ہونا چاہیے، عام فہم ہونا چاہیے اور مغربی فکر وتہذیب کی بنیادی معلومات تک محدود ہونا چاہیے۔

رضی الدین سید (کراچی)

آپ نے جون ۲۰۲۳ء کے البرہان میں حافظ ڈاکٹر حسن مدنی صاحب کا جو مضمون ٹیسٹ ٹیوب بے بی اور نسوانی بیضہ برحمِ غیر سے متعلق چھاپا ہے، وہ مجھے غیر ضروری اور غیر مناسب لگا۔ اس سے بالواسطہ اس کارنا ہنجار کی ترغیب ملتی ہے جبکہ یہ پچیس کروڑ افراد میں چند ایک افراد کا مسئلہ ہوسکتا ہے۔ اس لیے اگر آپ یہ مضمون طبع نہ کرتے تو زیادہ مناسب ہوتا۔

ڈاکٹر اختر حسین عزمی (لاہور)

موضوع: جناب خالد جامعی کے ممدوح ومعتوب

ماہنامہ البرہان جولائی 2023ء کے شمارے میں جناب سید خالد جامعی صاحب کا مدیر البرہان کے تبلیغی جماعت سے متعلق اس جملے کے جواب میں کہ: ''تبلیغی جماعت کے لوگ مغرب (مغربی فکر وتہذیب) کے بارے میں عدمِ اعتنا کا رویہّ رکھتے ہیں، جزوی اسلام پر زور دیتے اور کُلّی اسلام کو نظر انداز کرتے ہیں اور مغرب کے لیے کوئی خطرہ نہیں۔'' جناب سید خالد جامعی کا ایک مغربی دانشور کا یہ قول پیش کرنا کہ: ''تبلیغی جماعت عسکری ومزاحمتی اور جہادی تحریکوں کی نرسری ہے'' ہمارے لیے نا قابل فہم ہے۔ کیا اس سے کوئی انکار کرسکتا ہے کہ تبلیغی جماعت نے اپنی دعوت کو تصحیح کلمہ، نماز اور اس جیسے چند نکات تک محدود رکھا ہوا ہے۔ امت کے اجتماعی مسائل اور سیاستِ حاضرہ تو رہے ایک طرف، وہ تو زکوٰۃ جیسے اہم فریضے کی بھی اجتماعی دعوت مسلمانوں کے سامنے پیش نہیں کرتی۔ کشمیر وفلسطین، بوسنیا و برما کے مظلوم مسلمانوں،

مہاجرین اور آفت زدگان کی مدد تو رہی ایک طرف، وہ تو اپنے اجتماعات میں گھنٹے گھنٹے کی دعاؤں میں ان کے حق میں دعا تک کرنے سے بھی گریز کرتی ہے۔اہل تبلیغ یدعون الی الخیر کے ایک حصے پر یقیناً عمل پیرا ہیں لیکن یا مرون بالمعروف اور ینھون عن المنکر کے مستقل فرائض کی یہ تشریح کر کے پہلوتہی کرتے ہیں کہ خیر کی دعوت ہی اتنی دیتے جاؤ کہ امر و نہی کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔امر ونہی کے قرآنی حکم کی یہ تعبیر اگر سلف میں سے کسی نے کی ہے تو جناب جامعی کو ضرور سامنے لانی چاہیے۔

امت کے اجتماعی مسائل سے عدمِ اعتنا تبلیغی جماعت کا عمومی مزاج ہے۔کئی سال قبل ایک دن توہین رسالت کے مسئلے پر پورے عالم اسلام میں احتجاج ہورہا تھا۔راقم لاہور جانے کے لیے بس میں سوار ہوا۔جگہ جگہ احتجاج ہورہا تھا۔جسے دیکھ کر میرے ساتھ کی نشست پر بیٹھے ہوئے تبلیغ میں سرگرم بھائی نے مجھ سے پوچھا کہ یہ احتجاج کیوں ہورہا ہے؟ یاللعجب !اس قدر بے خبری اور بے اعتنائی۔افغان جہاد کو فساد کہتے ہوئے کتنے ہی تبلیغی حضرات کو ان گناہگار کانوں نے سنا ہے۔باقی رہا کسی مغربی دانشور کا تبلیغی جماعت کو جہادی ومزاحمتی تحریکوں کی نرسری قرار دینا تو یہ مغرب کا اندرونی خوف ہے۔انہیں تبلیغی جماعت ہی کیا، ہر نمازی بلکہ بے عمل کلمہ گو بھی خطرناک ہی دکھائی دیتا ہے۔اور پھر کیا تبلیغی جماعت کے اکابر خود بھی اس بات کو Own کرتے ہیں یا جامعی صاحب یہ بات خود ہی ان کے گلے منڈھ رہے ہیں۔ہمیں تو اپنی زندگی کے طویل مشاہدے میں شاذ ونادر ہی کوئی ایسا فرد نظر آیا جو سرتاپا تبلیغی فکر میں ڈوبا ہوا ہو اور وہ امت کے اجتماعی مسائل کے حل کے لیے بھی بھاگ دوڑ کر رہا ہو، مزاحمتی اور جہادی سرگرمیاں تو بہت دور کی بات ہے۔

ہمارے اس اظہار سے کوئی یہ مطلب کشید کرے کہ ہم تبلیغی جماعت کی تربیتی واصلاحی خدمات کے انکاری ہیں تو یہ اس کی اپنی کوتاہ فہمی ہوگی۔بے نمازیوں کو نمازی بنا دینا، بگڑے ہوؤں کو مسجد سے جوڑ دینا، کسی کا کلمہ درست کر دینا بھی کم اہم نہیں۔ہمارا گِلہ یہ ہے کہ ایک پرائمری سطح کے مخاطب اور بیس بیس سال میں کئی کئی چلّے لگانے والے کو بھی ایک ہی خوراک پر زندگی بھر قانع رکھنا اور دیگر دینی اجتماعی فرائض اور معاملات کی خبر تک نہ ہونے دینا کوئی دانشمندانہ کام نہیں۔جامعی صاحب کو مزاحمتی اور احیائے دین کی جماعتوں سے تو شکوہ ہے کہ وہ سیکولرازم کی گہرائی وگیرائی اور باریکیوں کا ادراک اور احساس نہیں رکھتیں لیکن کیا وہ یہ بتانا پسند

کریں گے کہ انہوں نے اب تک تبلیغی اکابرین وابستگان کے ساتھ مغربی فکر کی آگہی کے لیے کتنے سیمینار اور سٹڈی سرکل منعقد کیے ہیں؟

ہمارے تبلیغی بھائی اس جملے کی تو تکرار کرتے ہیں کہ ''پورے کا پورا دین ہماری زندگی میں آجائے''، لیکن اس پورے دین سے ان کی مراد کیا ہے؟ جامعی صاحب چالیس سال سے تبلیغ سے وابستہ دس بیس افراد سے ہی پوچھ کر سروے کرلیں تو حقیقت ان کے سامنے آجائے گی۔ تبلیغی بھائیوں کے نزدیک پورے دین سے مراد ہے نماز ادا کرلینا، مسنون طریقے سے کھانا پینا اور سونا اور اگر داڑھی اور لمبے چولے کے ساتھ پگڑی بھی باندھ لی تو گویا ادخلوا فی السلم کافه کا حق ادا ہوگیا۔

یہ حقیقت ہے کہ تبلیغی جماعت ہو یا دعوت اسلامی، انہوں نے دنیا کی امامت سے دستبرداری کو دل سے قبول کرلیا ہے۔ انہوں نے سیکولرازم کے اس تصور کو دل وجان سے قبول کرلیا ہے کہ مذہب فرد کا انفرادی معاملہ ہے۔ اجتماعی معاملات میں مذہب کو دخل دینے کا کوئی اختیار نہیں۔ اجتماعی معاملات اجتماعی دانش کے ذریعے دنیادار طے کریں گے۔ اپنے غیر سیاسی ہونے کو تو یہ قابل فخر طریقے سے بیان کرتے ہیں لیکن انفرادی طور پر ان کی اکثریت اسی انتخابی سیاست کا حصہ ہوتی ہے جسے وہ گندی سیاست کہتے ہیں۔

اسلام اور مغرب کی تہذیبی کشمکش میں تبلیغی جماعت کی محض قدامت پرستی کو جامعی صاحب جدیدیت کا توڑ سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کی تبلیغی جماعت سے توقعات وابستہ اور خوش گمانیاں قائم ہیں اور انہیں ان کی تنقید سے بھی چھوٹ ملی ہوئی ہے۔ دوسری طرف تجدید دین اور احیائے ملت کے لیے سرگرم تحریکوں اور ڈاکٹر یوسف القرضاویؒ اور مفتی تقی عثمانی صاحب جیسے معتدل فکر مجتہدین کو وہ ان کی اجتہادی غلطی پر رسول خدا کی دی ہوئی رعایت کا بھی حق دینے کے روادار نہیں اور وہ ان پر مغرب نوازی، جدیدیت سے مرعوبیت اور سرمایہ دارانہ نظام کے ایجنٹ کی پھبتیاں کسنا اور فتوے جاری کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔

ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیے؟

(بقیہ صفحہ نمبر: ۵۳)

They do not see the state as a site for Islamic struggle and do not contest the rule of law of capital. Islamic revolutionary consciousness – the consciousness that without empowerment Islamic identity will inevitably be submerged in secular order – is almost nonexistent in Pakistan.

The Islamic revolutionary struggle is at an embryonic stage in Pakistan. All Islamic parties have abandoned revolutionary Praxis and have become reconciled to the domination of the rule of law of Capital. For this to change it is necessary to unite the political and non-political Islamic parties and to convince them that without the political empowerment of the *Mukhliseen-e-Deen* the Islamic identity of Pakistani individuality and society cannot be safeguarded.

This movement for Islamic unity must originate in a mass politics founded on the mosque, the *mohalla*, the *bazaar* and the *Jirga* which is aimed at transfer of power from state institutions to institutions at the mass level governed by the *Mukhliseen-e-Deen*. This mass based institutional network must be spread throughout the country consolidated at the district, provincial and national level and safeguarding it and enhancing its executive power must be the primary concern of the legislative representation of the united Islamic parties.

Building such a micro-political base for Islamic revolutionary struggle will take time but its process can be greatly accelerated if we succeed in associating the mass Islamic revolutionary movement with Islamic charismatic leadership. The national leader of the United Islamic Movement must be a genuine *Waliallah* with tremendous spiritual power rooted in the customs and religious tradition of the Muslim masses. As the examples of Iran and Afghanistan have shown Muslim masses are eager followers of genuine *Aulia-Allah* who alone can lead them from the darkness of secularism to the light of Islam.

elite combatants especially in terms of their relationship to imperial powers.

Secondly, we must stress that mass secular movements are not struggles for deconstructing the Capitalist state – the governance system which institutionalizes exploitations and submission to the commands of the baser self – the *Nafs-e-Ammara.* The constitutional order established by the provisions of the 1935 India Act must be comprehensively dismantled to establish Islamic rule. We stand for a reconstruction of the state – not for the institutionalization of the rule of law of Capital. Reconstructing the structures of the state is an essential step for the social empowerment of the *Mukhliseen-e-Deen* and without their empowerment the Islamic governance order cannot be established.

Superficially it appears that the governance order is unravelling – the deeply divided judiciary is at loggerheads with the legislature and the security system is disenchanted. In reality neither the political nor the economic nor the social order is imperiled. Whether the elections are held or a state of emergency is imposed, whether we default or appease the IMF via the 2024 budget the system of governance will remain the same. There is no threat to the system of governance or the rule of law of Capital because there is no viable alternative being prepared to replace it. We are in a non-revolutionary situation because there are no revolutionary forces organizing a revolutionary response to the institutional systemic imposition of capitalist/imperialist order. Today as in 1969 and 1979 the Jamat-e-Islami is striving to arrange systemic reapproachment and elite compromise.

The societal institutional engineering that is necessary for empowering the *Mukhliseen-e-Deen* has not even begun. The vast mass of *Mukhliseen-e-Deen* are isolated, disunited and unaware of and disinterested in the need for empowerment.

systematic change in Pakistan's governance system – quite the contrary they are movements for protecting and promoting colonial rule.

This makes it possible for the incumbent governing elites to support secular mass mobilization movements. As the secular mass mobilization gathers momentum sections of the politico-economic elites jump into the bandwagon. A limited circulation of elites is achieved – the dwindling ranks of party ideologues, Muslim nationalists, Marxists, social democrats, liberals are dismissed – and the same bureaucrats, generals, capitalists, landlords and corruption mafia surmount power structures facilitated by Jinnah, Bhutto and Imran. Efforts are made to appease imperialism. Efforts at promoting capitalist justice through systemic reforms are indefinitely postponed. The charismatic leader becomes a willing tool of the corruption mafia. This did not happen to Jinnah because of his ideological stance and commitment to Muslim nationalism but Bhutto and Imran have both succumbed to corruption.

Lessons for Islamic Movements

There are three important lessons to be learnt from these episodes of secular mass mobilization.

The first lesson to be learnt is that Islamic Movements must not become part of secular mass mobilization movements. We stand for the establishment of Islamic rule and do not accept the approach to Capitalist justice as a means for achieving this end. Legitimating Capitalist justice quests – through the promotion of human or social rights – undermine Islamic consciousness and is necessarily a means for societal secularization. We should refuse to take sides in the interim elite struggles for power in which the masses are befooled to become participants. We should emphasize the futility of these struggles and stress the similarity in the political agenda of the

nor Imran are committed ideologues (as is evident from their performance when in power) but like Mr. Jinnah both Bhutto and Imran have succeeded in achieving cult status as mass saviors. Bhutto's mass charisma was sustained by committed Marxists and social democrats who galvanized the movement particularly during its peak days. Imran apparently lacks such ideological back staffing and the ideological content of his mass appeal is more diffused but he is popularly seen as a symbolic struggler against felt capitalistic injustices.

Ideology – false consciousness – has always been a subordinated element in arousing mass support for the secular movements. The main thrust of the secular appeals to the masses is on the charismatic character of its symbolic leader who is preached as a godlike figure capable of fulfilling the aspirations (whatever they may be) of a mobilized segment of mass political activists. As has been shown in several studies Pakistani masses are passive political participants expecting salvation from charismatic leaders not much concerned with the ideological content of the leader's message. This attitude of the masses is an enduring colonial legacy.

Unlike Latin America where some political and business erected by colonialism were at least partially contested since the mid-19th century, colonial governance structures have remained strong in Pakistan and secular mass mobilization movements have been based upon them – for support. Neither Mr. Jinnah nor Bhutto nor Imran Khan have ever tried to step out of the constitutional framework established by the British India Act of 1935 – four-fifth of the provisions of Pakistan's 1973 Constitution are taken almost verbatim from the 1935 Act and this constitutional framework has always been sacred in the eyes of the charismatic leaders – Jinnah, Bhutto and Imran. Secular mass movements are not movements for

Dr. Javed Akbar Ansari

From Bhutto to Imran
Lessons for Islamic Movements

Thrice in recent history of the subcontinent has a charismatic leader succeeded in building a mass movement among the Muslims. Among the Hindus this has happened twice – under Mohandas Gandhi and Narindra Modi. On the other hand, Islamic revolutionaries have never succeeded in achieving a sustained mass mobilization. Even the jihad movements of the 19th century – those led by Syed Badshah, Haji Shariatullah, General Bakht Khan, Hazrat Shaikh-al-Mashaikh Haji Imdadullah Muhajir Makki and the Sadiqpuri Sayyids (may Allah bless them) – failed to arouse mass enthusiasm.

Why have the secularists succeeded and why have we failed in attracting mass support. This is an important question which the Islamic revolutionary agenda must address – for without mass mobilization and support it is not possible to achieve a revolutionary Islamic breakthrough at the systemic level. This essay represents a preliminary attempt to raise this question.

Secular Mass Mobilization

The three successful mass mobilization movements among Muslims in the subcontinent have been led by Mr. Jinnah, Zulfiqar Ali Bhutto and Imran Khan. The first of them that led by Mr. Jinnah in the 1940s, was an ideological movement inspired by Muslim nationalism. The second that of Mr. Bhutto in the 1970s espoused democratic "Islamic" socialism. Imran Khan's movement seeks mass legitimacy through liberal nationalist themes. Unlike Mr. Jinnah (who was a staunch believer in Muslim nationalism) neither Bhutto